هفت روزہ

خدام الدین لاہور

زیر سرپرستی

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی مدظلہ

شیرانوالہ دروازہ لاہور

۱۰ر جون سنہ ۱۹۶۰

ہدیہ چار آنے

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین ۰ لاہور

ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور

جلد (۹) | جمعۃ المبارک ۱۴ر ذی الحجہ سنہ ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۰ر جون سنہ ۱۹۶۰ء | شمارہ ۵

بے پردگی

آج مغربی تہذیب نے ہماری عقل ایسی تاریک اور آنکھیں ایسی اندھی کر دی ہیں کہ ہم تعلیم یافتہ کہلانے کے باوجود ہر اس بات کو قبول کر لیتے ہیں جو مغرب سے آئی ہو۔ چاہے اس میں کتنی ہی برائی، قباحت اور بے حیائی ہو۔ مغربی لعنتوں میں سے بے پردگی ایسی لعنت ہے جسے بڑے بڑے شریف اور معزز کہلانے والے لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ آج ایسے معزز اور شریف لوگوں کی بہو بیٹیاں انتہائی زیبائش و آرائش سے بن سنور کر بازاروں میں کسی پردے اور حجاب کے بغیر گھومتی ہیں۔ جتنی پہلے دنوں میں اپنے گھر کے صحن میں بھی نہیں گھوما پھرا کرتی تھیں۔

سر برہنہ رکھنے کا تو عام رواج ہو گیا ہے حالانکہ پہلے عورت سر برہنہ کرنے کو شرافت کا معیار سمجھتی تھی۔ مگر آج سر برہنہ رکھنے کو شرافت کی علامت سمجھا جانے لگا ہے۔ گو چہرہ ننگا کرنے کی بوقت ضرورت شریعت میں اجازت ہے۔ لیکن اب تو چہرے کے ساتھ گردن۔ شانے۔ بلکہ سینہ کا بالائی حصہ کھلا رکھنا بھی شرافت کا معیار سمجھا جاتا ہے۔ جہاں یہ مغرب سے آئی ہوئی شرافت ذرا اور ترقی کر جاتی ہے تو پھر بازو وغیرہ ننگا کرکے ہماری مائیں بہنیں نیم برہنہ سی بازاروں میں نہایت آزادی اور بے باکی سے مٹرگشت کرتی نظر آتی ہیں۔ یہی نہیں کہ قوم کی یہ بیٹیاں اور بہنیں اکیلی ہی بازار میں تشریف لاتی ہیں۔ نہیں بلکہ بعض اوقات ان کے بھائی شوہر۔ باپ اور دوسرے عزیز و اقارب بھی ہمراہ ہوتے ہیں۔ مگر انہیں قطعاً اس امر کا احساس نہیں ہوتا کہ ان کی یہ بنی سنوری حسین و جمیل عزیزہ اس وقت تماشہ گاہ عام بنی ہوئی ہے۔ اس لیئے کہ اگر یہ احساس ہوتا بھی ہے تو اسے برا نہیں سمجھا جاتا۔ کیونکہ یورپ میں اس بے پردگی کا عام رواج ہے۔ جس طرح آج ہم نے اپنی مستورات کو تنہا باہر آنے جانے اور سیر و تفریح کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ یورپ نے اس سے دو قدم آگے بڑھ کر غیر مردوں اور غیر محرموں کے ساتھ خلا ملا اور میل جول رکھنے کی بھی عام اجازت دے رکھی ہے۔ اب اگر یہاں ہم اس بے پردگی کو برا مانیں تو ہم اپنے ان پرانے آقاؤں کی نظر میں غیر تہذیب یافتہ۔ جاہل اور اجڈ قرار پاتے ہیں۔ یہ ہیں نتائج اس تعلیم و تربیت اور اس تہذیب و شرافت کے جو ہمیں انگریز سے وراثت میں ملی۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کیا سکھاتا ہے۔ اور عفت و عصمت کس میں ہے۔ آیا اس بے پردگی اور بے حیائی میں یا اس پردے اور حیا میں جس کی اسلام نے تعلیم دی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

الجاریۃ اذا حاضت لم تصلح ان یری منھا الا وجھھا ویدھا الی المفصل

(لڑکی جب بالغ ہو جائے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آنا چاہیئے سوائے چہرے اور کلائی کے جوڑ تک ہاتھ کے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سر کا پردہ بھی ضروری ہے۔ موجودہ زمانے کی بے پردگی نیم برہنگی اور بے حیائی تو اسلام میں کسی طرح جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا

قُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَھُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ عَلٰی جُیُوْبِھِنَّ (الآیۃ)

(مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اپنے ستر کو محفوظ رکھیں اور اپنا سنگار نہ دکھلائیں۔ مگر جو کھلا ہے اس میں سے اور ڈالے رکھیں اپنی اوڑھنی اپنے گریبان پر) اس آیت میں سینے وغیرہ کو صرف پردے میں رکھنے ہی کا حکم نہیں بلکہ پردے میں رکھنے کے بعد انکی شکل کو مزید پوشیدہ اور غیر محرموں کی نظر سے اوجھل رکھنے کے لئے گریبان پر اوڑھنی ڈال رکھنے کا بھی حکم ہے۔ چونکہ اوڑھنی سے پردے کی زیادہ تاکید کرنا مقصود ہے۔ اس لیئے آج کل نائلون وغیرہ کے باریک دوپٹے بے فائدہ ہیں۔ کیونکہ ان سے خوبصورتی میں ترقی ہوتی ہے۔ پردے کا مطلب حاصل نہیں ہوتا ایسے لباس پہننے والی عورتوں کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کاسیات عاریات (او کما قال) یہ عورتیں بظاہر تو لباس پہنے ہوئے ہیں لیکن درحقیقت ننگی ہیں۔ کیونکہ لباس کا مقصد دو چیزیں ہیں۔ پردہ کرنا اور گرمی سردی سے بچاؤ تو یہ نائلون وغیرہ کے باریک لباس ایک مقصد کو بھی پورا نہیں کرتے۔ لہٰذا محض بے فائدہ ناکارہ بلکہ مضر ہیں۔

مردوں کا قصور

اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ قصور سراسر عورتوں ہی کا ہے۔ بلکہ اس کی تمام تر ذمہ واری مردوں پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ تمام اسباب جن سے یہ بے پردگی۔ بے حیائی اور بے غیرتی ظہور میں آتی ہے۔ مردوں ہی کے پیدا کیئے ہوئے ہیں۔ اصلی وجہ دین سے ناواقفی اور خدا و رسول سے بے گانگی ہے جو مسلمانوں میں دن بدن بڑھ رہی ہے۔ زیادہ قابل افسوس یہ بات ہے کہ مسلمان مطمئن ہیں۔ اور برابر تباہی کے گڑھے کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔

اس کا ماتم اکبر الٰہ آبادیؒ تقریباً چالیس سال قبل ان الفاظ میں کر چکے ہیں۔

بے پردہ کل جو نظر آئیں چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو میں نے بیبیو پردہ کدھر گیا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

خطبہ یوم الجمعۃ ۷ر ذی الحجہ سنہ ۱۳۷۹ھ مطابق ۳ر جون سنہ ۱۹۶۰ء

از جناب شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب دروازہ شیرانوالہ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی ۔ اَمَّا بَعۡدُ

اللہ تعالےٰ کی رحمت سے حصہ پانے کیلئے بارہ ۱۲ شرطیں

فَسَاَکۡتُبُهَا لِلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَالَّذِیۡنَ هُمۡ بِاٰیٰتِنَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۝ اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ الَّذِیۡ یَجِدُوۡنَهٗ مَکۡتُوۡبًا عِنۡدَهُمۡ فِی التَّوۡرٰىةِ وَالۡاِنۡجِیۡلِ یَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡهٰهُمۡ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ کَانَتۡ عَلَیۡهِمۡ ؕ فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِهٖ وَعَزَّرُوۡهُ وَنَصَرُوۡهُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝ (سورۃ الاعراف ع ۱۹ پ ۹)

ترجمہ۔ پس وہ رحمت ان کے لئے لکھوں گا جو ڈرتے ہیں۔ اور جو زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ لوگ جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں۔ جو نبی اُمی ہے۔ جسے اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ ان کو نیکی کا حکم کرتا ہے اور بُرے کام سے روکتا ہے اور ان کے لئے سب پاک چیزیں حلال کرتا ہے اور انپر ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ قیدیں اُتارتا ہے جو ان پر تھیں۔ سو جو لوگ انپر ایمان لائے اور اس کی حمایت کی۔ اور اُسے مدد دی اور اس نور کے تابع ہوئے جو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔

مذکورہ آیتوں میں بارہ شرطیں ذکر کی گئی ہیں

پہلی

جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ یعنے اللہ تعالےٰ سے ڈر کر اس کی نافرمانیوں سے بچتے ہیں۔ ڈرنے کا یہ خاصہ ہے کہ نافرمانی کرنے سے انسان بچتا ہے۔ مثلاً بچہ ماں کی مار سے ڈرنے سے بہت سے کاموں سے رُکتا ہے۔ دل تو چاہتا ہے کہ کرے۔ مگر ماں کی مار کے ڈر سے نہیں کرتا۔ اور یا مثلاً بچے کا دل تو چاہتا ہے کہ کھیلتا ہی رہے۔ مگر اُستاد کی مار کے ڈر سے سبق یاد کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ سے ڈرنے کے باعث بہت سارے گناہوں سے بچتا ہے۔

دُوسری

اور زکوٰۃ دیتا ہے

زکوٰۃ دینا بھی اسلام کے پانچ رکنوں میں سے ایک رُکن ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے باعث وہ مسلمان زکوٰۃ بھی دیتا ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو۔

تیسری

اور وہ لوگ ہماری سب آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ سب ٹھیک اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں۔

چوتھی شرط

اور وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہیں

پانچویں

جس نیکی کا آپ انہیں حکم کرتے ہیں وہ بجا لاتے ہیں۔

چھٹی

اور جس بُرائی سے آپ انہیں روکتے ہیں۔ رُک جاتے ہیں۔

ساتویں

اور آپ ان کے لئے جن پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں۔ وہ انہیں چیزوں کو حلال سمجھتے ہیں۔

آٹھویں

اور آپ خبیث چیزوں کو اُن کیلئے حرام کرتے ہیں وہ ان کو حرام سمجھتے ہیں۔

نویں

اور آپ ان سے سابقہ غلط پابندیوں کو ہٹاتے ہیں تو ہٹ جاتے ہیں۔

دسویں

جو اس نبی پر ایمان لائے اور اُسکے احکام کے تسلیم کرنے میں امداد کی

گیارھویں

اور جن لوگوں نے اسکے احکام کی اشاعت کرنے میں امداد کی

بارھویں

اور اس نور کے تابع ہوئے (یعنی قرآن مجید) جو اس پر نازل کیا گیا تھا وہ لوگ ہی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے والے ہیں۔ اللھم اجعلنا منھم

اگر غور سے دیکھا جائے

تو فیصدی بہت ہی کم عورتوں اور مردوں میں سے ان شرائط کے پورا کرنے والے ملیں گے۔

کیونکہ

جب تک انسان اپنی تمام زندگی کے لمحات کو تابع فرمان الٰہی کا فیصلہ نہ کرلے اور دل سے مُہر تصدیق نہ لگائے۔ اس وقت تک ان بارہ شرطوں کا پورا کرنا مشکل ہی ہے اور مذکورۃ الصدر اوصاف کے پیدا کرنے کا ایک خاص طریقہ یہ ہے۔ اگر آدمی کو وہ چیز میسر آجائے تو پھر انشاء اللہ ان بارہ صفتوں کا اپنے میں پیدا کرنا آسان ہو جائے گا اور اس چیز کا میسر آنا نایاب تو نہیں ہے۔ البتہ کمیاب ضرور ہے اور وہ چیز

صحبت اہل اللہ کی ہے

اسی چیز کا ذکر اس آیت میں ہے ارشاد الٰہی ہے۔ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا) الایۃ۔ (سورۃ الکہف ع ۴ پ ۱۵) ترجمہ۔ تو ان لوگوں کی صحبت میں رہ جو صبح اور شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ اسی کی رضامندی چاہتے ہیں اور تو اپنی آنکھوں کو ان سے نہ ہٹا کہ تو دُنیا کی زندگی کی زینت تلاش کرنے لگ جائے۔

ایسے اللہ والوں

کی عقیدت تامہ سے رہتے ہوئے ان کا رنگ چڑھ جاتا ہے بشرطیکہ ان کے ساتھ عقیدت کی وابستگی تام ہو جائے۔ پھر دل یہی چاہتا ہے کہ جو طرز زندگی کا حضرت اختیار کئے ہوئے ہیں وہی ہم بھی اختیار کریں۔ اسی عقیدت اور اس گہرے تعلق کی بنا پر پھر انسان اپنی خوشی سے وہی اعمال کرنے لگ جاتا ہے جو اللہ والوں میں ہوتے ہیں۔ کسی بندہ خدا نے اسی حالت کا نقشہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کھینچا ہے

شعر
بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

جب اہل اللہ کی صحبت

میں مدت مدید تک رہ کر ان کی برکت سے نفس پر انسان قابو پا لیگا۔ تب بفضلہ تعالےٰ ان بارہ صفتوں کا نفس میں پیدا ہونا کوئی مشکل نہیں ہوگا۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

دھوکہ نہ کھائیں

کسی نے خوب کہا ہے

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

آپ یہ دھوکہ نہ کھائیں کہ جو فقیر کہلاتا ہے۔ وہ واجب الاتباع ہو جاتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے ہر مسلمان کے لئے اتباع شریعت نمبر اول ہے۔ اس کے بعد جو قرب الی اللہ کی راہ کسی باخدا سے پوچھ کر طے کرے تو وہ کامل ہو جاتا ہے اور پھر خود بھی شریعت کے دائرہ کے باہر ایک قدم نہیں رکھ سکتا اور اگر وہ فقیر کہلانیوالا ابھی تک درجۂ کمال کو پہنچ کر خود تابع شریعت کے نہیں ہو سکا۔ تو دوسروں کے لئے ہادی اور رہنما کب بن سکتا ہے پھر دوبارہ عرض کرتا ہوں۔

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

منٹوں اور گھنٹوں اور دنوں

کا کام نہیں ہے۔ یعنی اہل اللہ کی صحبت میں ایک ہفتہ تک بیٹھے۔ اور فقیر کامل بن گئے۔ اس درجہ کمال تک پہنچنے کے لئے کسی نے خوب کہا ہے

مصرعہ مدتہا باید کہ تا خون شیر شود

عام قاعدہ

یہی ہے جو میں نے عرض کیا ہے کبھی کبھی ایسے باخدا بھی کسی خوش قسمت انسان کو مل جاتے ہیں جو سالوں کی منزل دنوں میں طے کرا دیتے ہیں۔ وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

اگر بالفرض اس درجہ کے باخدا

نہ مل سکیں۔ جنکی صحبت میں بیٹھ کر رنگ چڑھ سکے تو بھی اس نظریہ پر عمل کیا جائے۔ مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ۔ ترجمہ۔ جو چیز سارے کی ساری میسر نہ آسکے تو بھی جتنی مل سکے اتنی لے لی جائے۔ یعنی ساری نہ مل سکے تو ساری چھوڑ بھی نہ دی جائے بلکہ جتنی ملے اتنی ہی لے لی جائے۔

اللہ والوں

کی صحبت پورے طور پر حاصل نہ ہو سکے۔ اسی کو غنیمت سمجھا جائے

اہل اللہ کے زمرہ میں شامل ہونے کے

ابتداءً دو شرطیں ضروری ہیں

مسلمانوں میں جو متبع سُنت ہیں۔ ان کے ہاں اہل اللہ کی فہرست میں شامل ہونے کے لئے دو شرطیں لازمی ہیں۔ ایک متبع قرآن مجید ہونا۔ اور دوسری متبع سنت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہونا۔ ان دو شرطوں کے پائے جانے کے بعد استقامت علی الدین بھی ضروری چیز ہے۔ وہ شخص ایسا بھی نہ ہو۔ جو ہر رنگ میں بہ جائے۔ اپنے مسلک (اتباع کتاب و سنۃ) میں ایسا پختہ کار ہو کہ جیسے ایک مشہور ضرب المثل ہے کہ

زمیں جنبد نہ جنبد گُل محمد

کہ خدانخواستہ اس دور کے دُوسرے انسان اگر بالفرض بھٹک بھی جائیں تو یہ بندگان خدا نشان راہ استقامت بن کر کھڑے ہو جائیں۔ وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

تیسری شرط

اللہ والوں کی پہچان کی تیسری شرط یہ ہے خِيَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ اِذَا رُءُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ ترجمہ۔ اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ بندے وہ ہیں۔ جن کے دیکھنے سے خدا یاد آئے۔ نہ یہ کہ بجائے خدا یاد آنیکے ان کی صحبت میں طبلے پر تھاپ سنائی دے۔ اور گویئے کا گانا سننے میں آئے اور تالیوں کے بجنے سے کان پڑی آواز بھی سنائی نہ دے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اے شیطان تو ہے تو ملعون۔ مگر عقلمندوں کو بیوقوف بنانے میں تمہیں کمال حاصل ہے

جن اللہ تعالےٰ کے بندوں نے دنیا چھوڑی اور فقیری رنگ اختیار کرنا چاہا۔ انہیں بھی تو نے گمراہ کر کے چھوڑا۔ کہ فقیری طبلہ بجانے گانا گانے تالیاں بجانے میں پوشیدہ ہے۔

کیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی فقیری کے قائل تھے اور اسی طریقہ پر آپ کا عملدرآمد تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تاکہ مسلمان کہلانے والے بہتّر فرقوں سے بچ کر تہترویں فرقہ میں داخل ہو جائیں۔

وما علینا الا البلاغ

تصحیح ہفت روزہ خدام الدین مورخہ ۳ر جون ۱۹۶۱ء صفحہ ۱۵ کالم اول سطر ۲ پر اللہ اربعہ کی بجائے آئمہ اربعہ کر لیا جائے۔

مجلس ذکر منعقدہ ۶ر ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ مطابق ۲ر جون ۱۹۶۰ء

آج ذکر کے بعد مخدومنا و مرشدنا حضرت مولانا احمد علی صاحب مدظلہ العالی نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيۡنَ اصۡطَفٰى۔ اَمَّا بَعۡدُ

کثرت ذکر کی برکات

میں سے ایک برکت یہ ہے۔ کہ انسان کو منہ سے بیہودہ الفاظ نکالنے مثلاً گالی گلوچ دینے سے خود شرم آئیگی جس طرح اگر انسان کسی بیماری کی وجہ سے دور نہ جا سکے اور کسی پیالہ میں پیشاب کرکے کسی آدمی سے کہے۔ کہ اس کو باہر پھینک دو۔ اب اس پیالہ میں ناممکن ہے کہ دودھ ڈال کر اسے بھی پیئے۔ اسی طرح جب ذکر الٰہی میں زبان جو منہ میں ہے شاغل رہتی ہے تو اسی زبان سے گالیاں دینے سے یقیناً شرم آئے گی۔ اکثر آدمیوں کی عادت ہے کہ وہ کبھی بیوی کو کبھی نافرمان بچوں کو کسی غلطی پر متنبہ کرنے سے پہلے فحش الفاظ زبان سے نکالتے ہیں۔ میری زبان گوارا نہیں کرتی کہ ان ناشائستہ الفاظ کو نقل کروں۔ لیکن میں ان الفاظ کو جانتا ہوں جو عامۃ الناس اپنی بیویوں کو یا اپنے بچوں کو ان الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں۔ ایک انسان جس زبان سے ہر وقت ذکر الٰہی سے رطب اللسان رہتا ہے۔ اس کی شرافت اُسے خود مجبور کرے گی۔ کہ اس کی ذکر کرنے والی زبان سے اس قسم کے ناشائستہ الفاظ نہ نکلنے پائیں۔ یہ جذبہ آہستہ آہستہ جب تکمیل تک پہنچ جائے گا تو یقیناً انسان بیہودہ الفاظ استعمال کرنے سے پرہیز کرے گا۔ اور اُسے اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے سے خود شرم آئے گی۔ ذکر الٰہی کے برکات میں سے ایک برکت یہ ہے

و ما علینا الا البلاغ۔

علیٰ ھذا القیاس

یہ ذاکر انسان جو بکثرت ذکر الٰہی کرتا ہے اور بھی کئی طرح کی بیہودگیوں سے بفضل الٰہی اس ذکر کی برکت سے بچ جائے گا۔

مثلاً بے پردہ عورتوں کے گانے ناچ دیکھنے کے بجائے اس ذاکر کو اس سے نفرت پیدا ہوگی۔ کیونکہ ادھر ذکر الٰہی کی کثرت اور ادھر برہنہ بے پرد عورتوں کے ناچ رنگ دیکھنے سے یقیناً نفرت پیدا ہو جائے گی۔ علیٰ ہذا القیاس کثرت ذکر الٰہی کرنے کی برکت سے جب کوئی مشتبہ چیز کھا بیٹھے گا۔ تو اس کی طبیعت میں ایک تنغص پیدا ہوگا۔ آئندہ اس شخص کی لائی ہوئی چیزوں سے پرہیز کرے گا کہ شاید یہ بھی پہلے کی طرح مشتبہ ہو۔ اگرچہ وہ ہدیہ ہی لایا ہو۔ لیکن یہ شخص احتیاطاً مشتبہ چیز لائی ہوئی سے یقیناً پرہیز کرے گا۔ کیونکہ چیز کے کھانے کے بعد جو اسکی طبیعت پر تنغص ہوگا۔ وہ بہت ہی تکلیف دہ ہوگا۔

و ما علینا الا البلاغ

مضامین نگار حضرات ہنگامی مضامین تاریخ اشاعت سے کم از کم پندرہ روز قبل بھجوایا کریں۔ م

اعلان جلسہ

مدرسہ عربیہ تعلیم الدین بھیرہ کا سالانہ تبلیغی جلسہ انشاءاللہ العزیز مورخہ ۱۷-۱۸ جون ۱۹۶۰ء کو ہوگا۔ ملک وملت کے نامور علماء کرام تشریف لائیں گے۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ضرور شامل ہوکر ثواب دارین حاصل کریں۔

(عبدالرشید ناظم مدرسہ ہذا)

عید الاضحیٰ اور دلائل وجوب قربانی

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور (۲)

(د) عظیم لفظ سے ان تمام شکوک وشبہات کا خاتمہ فرمادیا کہ انسان اور نبی کی ذات کا فدیہ جانور کی جان کس طرح ہے۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے اس ذبح کو بڑا عظیم مرتبہ دیا ہے۔ اس میں برکات وانوار بھرے ہیں۔ پسند وقبول کا وہ درجہ دیا ہے۔ کہ اس جان کا بدل بن گیا اور اب ابراہیمؑ کو اس ذبح سے وہی اجر ملا جو لخت جگر کے ذبح سے ملتا۔ بلکہ ہونے والے نبی لخت جگر سے ملتا ہے۔ اور چونکہ اس ذبح کو نہایت عظیم الشان قرار دیا ہے۔ تو جن جن کو اس کی تعمیل کا حکم ملا ہے۔ ان کو بھی اسی پایہ کا عظیم الشان . . . ذبح میسر ہوا۔ اور وہی اجر ملے گا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے بارہ میں سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاهِیْمَ (تمہارے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ) فرماکر بتا دیا ہے۔ کہ اب سب مسلمانوں کو بھی اتنا ہی اجر ملے گا جتنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملا تھا۔ اسی لئے حدیثوں میں قربانی کی بے حد وحساب فضیلتیں وارد ہیں۔ مثلاً خون زمین پر گرنے سے پہلے مقبول ہوجانا۔ ہر بال پر ایک نیکی ملنا۔ گناہوں کا کفارہ ہوجانا وغیرہ وغیرہ۔

آج جو لوگ بجائے قربانی کے صدقہ وخیرات کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان کو ایک غلط فہمی یہاں لگ سکتی ہے۔ کہ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ قربانی کی غرض وغایت غریبوں کا پیٹ بھرنا ہے۔ اس غلط بنیاد پر ہوائی قلعہ تیار کرلیا گیا۔ اس آیت کا لفظ فدینا اس غلط فہمی کی جڑ کاٹ رہا ہے۔ جیسے نمبر الف د ب میں گزر چکا ہے۔

(۶) وجوب کی چھٹی دلیل۔ ابن ماجہ اور مسند امام احمد کی روایت ہے حضرت ابوہریرہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کرتے ہیں۔ مَنْ وَجَدَ سعۃ فَلَمْ یُضَحِّ فَلَا یَقْرَبَنَّ مصلانا۔ جس نے گنجائش پائی اور قربانی نہ کی وہ ہرگز ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے)

جس کام کے نہ کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر ناراضی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ وہ فرض یا واجب ہی ہوسکتا ہے۔ اور اس کے ادا کرنے پر جو ثواب عظیم حدیثوں میں آرہا ہے۔ وہ اس کی اور تائید کرتا ہے۔ فتح الباری شرح بخاری (ج ۱۰ صـ۔) میں ہے کہ "اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں"۔

لیکن سوال ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث تو موقوف یعنی ایک صحابی حضرت ابوہریرہؓ کا قول ہے مرفوع یعنی حضورؐ کا ارشاد نہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہ حدیث صرف موقوف ہی نہیں ہے۔ موقوف بھی روایت ہے۔ اور مرفوع بھی گو بعض محدثین نے موقوف کو راجح قرار دیا ہے۔ جیسے کہ علامہ ابن حجر نے فتح الباری (ج ۱۰ صـ۲) میں ذکر کیا ہے۔ لیکن علامہ علی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں بتایا ہے۔ کہ یہ موقوف بھی مرفوع کے حکم میں ہے"۔ وجہ یہ کہ اصول حدیث کا مانا ہوا قاعدہ ہے۔ کہ جو حکم قیاس سے معلوم نہ ہوسکتا ہو۔ اس کے بارہ میں موقوف روایت کا حکم بھی مرفوع کا ہوتا ہے اور کھلی بات ہے کہ یہ حکم کہ ہرگز ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے حضرت ابوہریرہؓ کا یہ منصب نہیں تھا کہ وہ تمام مسلمانوں کو مسجد وعیدگاہ سے روکنے کے لئے بغیر حضورؐ کے حکم کے کہہ دیتے۔ جبکہ قرآن شریف نے مسجدوں سے روکنے کو سخت گناہ قرار دیا۔

علامہ عینی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو مرفوع (یعنی حضور کا ارشاد) امام احمدؒ، ابن ابی شیبہؒ۔ اسحٰقؒ بن راہویہ اور ابو یعلیٰ موصلی نے اپنے مسندوں میں دارقطنیؒ نے سنن میں۔ حاکمؒ نے مستدرک کی کتاب الحج میں روایت کیا ہے۔ اور حاکم نے بتایا ہے۔ کہ یہ صحیح الاسناد ہے۔ گو بخاری ومسلم نے اس کو نہیں لیا۔ پھر صحابیؓ میں حضرت ابن عباسؓ سے مرفوع ہی روایت کرکے صحیح الاسناد کہا ہے۔ پھر تنقیح سے نقل کیا ہے۔ کہ ابن ماجہ کی مرفوع روایت کے کل راوی بخاری ومسلم کے راوی ہیں سوائے ایک کے کہ وہ صرف مسلم کے راوی ہیں اور فقط اعرج اور ابن وہب نے حضرت ابن عباس سے اس روایت کو موقوف روایت کیا۔ اور اسی کو اشبہ بالصواب کہا ہے۔ لیکن ثقہ راویوں کی زیادتی معتبر ہوتی ہے (بنایہ ج ۴ صـ۱۷۸) یعنی ان لفظوں کو کہ حضورؐ نے فرمایا ہے معتبر اور ثقہ راویوں نے اپنی روایتوں میں بڑھایا ہے جو اصول حدیث کے قانون پر معتبر ہوتا ہے۔ اس لئے اس مضمون کا حضورؐ کا ارشاد ہونا ہی معتبر ہے۔

دوسرا سوال یہ ہوسکتا ہے۔ کہ قریب قریب اسی قسم کے الفاظ ایک اور کام کے لئے ایک اور حدیث کے ہیں مگر وہاں کوئی اس کام کو واجب نہیں قرار دیتا تو معلوم ہوا کہ ایسے لفظوں سے واجب ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ من ترک سنتی لم تنلہ شفاعتی (جو شخص میری سنت ترک کریگا اس کو میری شفاعت نصیب نہ ہوگی) باوجود ان ناراضی کے لفظوں کے کوئی سنت واجب نہیں بنتی جواب تکملہ فتح القدیر (ج ۸ صـ۴۲۷) نے دیا ہے کہ اس حدیث میں تو عقیدہ میں ترک کرنا یا ساری قوم کا ترک کرنا مراد ہے۔ جو ایسا کرے گا اس کی شفاعت نہ ہوگی۔ اس پر مسلمانوں کو جہاد کرنے کا حکم ہوگا جیسے ترک اذان پر" مضمون کے شروع میں عقیدہ کے بیان میں یہ جواب عنایہ شرح ہدایہ کا گزر بھی چکا ہے۔

مگر اس پر یہ سوال ممکن ہے کہ یہاں بھی وعید وناراضی ترک اعتقاد یا ترک قوم پر ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ یہاں خود حدیث کے لفظ بتاتے ہیں کہ یہاں ترک اعتقاد یا ترک قوم مراد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہاں تو یہ فرمایا ہے من وجد سعۃ (جو گنجائش پائے) ترک اعتقاد یا ترک قوم بالکلیہ تو گنجائش ہونے نہ ہونے سے تعلق ہی نہیں رکھتا۔ ترک اعتقاد یا ترک قوم بالکلیہ تو مستحق جہاد ہو ہی جاتا ہے گنجائش ہو یا نہ ہو پھر "گنجائش پائی" کی قید بے فائدہ ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس سے تو یہ لازم آئے گا۔ کہ گنجائش پر تو ترک اعتقاد وترک قوم جرم ہے۔ اور گنجائش نہ ہونے پر جرم نہیں حالانکہ گنجائش ہونے پر بھی دونوں کا وہی حکم ہے جو گنجائش ہونے پر ہے۔ لہٰذا یہاں یہ تاویل درست نہیں ہوگی بلکہ اور حکم کو ہی غلط بنا دینے والی ہوجائیگی اس لئے درست نہیں۔

تیسرا سوال یہ بھی ممکن ہے کہ کچا لہسن اور پیاز کھانے والے کے واسطے بھی بالکل اسی طرح کی ناراضگی ووعید ہے۔ تو یا ان کا کھانا بھی حرام اور چھوڑنا واجب ہوتا یا یہاں بھی وجوب ثابت نہ ہوگا۔ ارشاد ہے من اکل ھذہ البقلۃ الخبیثۃ فلا یقربن مسجدنا (جو اس خبیث سبزی کو کھائے وہ ہرگز ہماری مسجد کے قریب نہ آئے) جواب یہ ہے کہ ابو داؤد کی حدیث کے لفظ یہ ہیں فلا یقرب ھذا المسجد حتی یذھب ریحہ (اس مسجد کے قریب نہ آئے یہاں تک کہ اس کی بدبو جاتی رہے) تو یہ ناراضی ان چیزوں کے نفس کھانے پر نہیں بدبو پر ہے جب بدبو نہ رہے تو آنے کی اجازت ہے۔ اگر خود ان کے کھانے پر یہ ناراضی ہوتی تو بدبو نہ رہنے پر بھی اجازت نہ ہوتی۔ اور دوسری حدیث میں ان کو پکا کر ان کی بدبو کو مار دینے کا جو حکم ہے۔ وہ بھی اس کی تقویت کر رہا ہے ہاں بدبو سے خالی ہونا واجب اور بدبو کے ساتھ مسجد میں آنا ترک واجب اور مکروہ تحریمی ہے۔ بلکہ درمختار میں حرام کے لفظ سے تعبیر ہے۔ (شامی ج ۱ صـ۲۹۱) لہٰذا اس ناراضی سے واجب ہونا ہی ثابت ہے۔

(۷) ساتویں دلیل بخاری ومسلم کی حدیث، حضرت براءؓ سے روایت ہے۔

ذبح ابو بردۃ قبل الصلوٰۃ فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت

ابو بردہ رضؓ نے نماز سے پہلے قربانی کر لی تھی۔ تو اُن کو حضورؐ نے فرمایا

ابد لها قال ليس عندی الا جذعة هی خير من مسنة قال اجعلها مكانها ولن تجزئ عن احد بعدك

اس کے بدلہ دوسری کرو عرض کیا میرے پاس تو صرف بکری کا بچہ ہے۔ مگر وہ سال بھر والے سے بڑھ کر فرمایا اس کو اس کی جگہ کر دو۔ اور تمہارے بعد کسی کو یہ کافی نہ ہوگا۔

اس حدیث شریف میں قربانی کے واجب ہونے کی پانچ دلیلیں ہیں ۱؎ ابدلها (اس کے بدلہ دوسری کرو) بدلہ کی ضرورت وہیں ہو سکتی ہے جہاں پہلی ضروری و واجب ہو۔ اور وہ صحیح نہ ہوئی ہو۔ لہٰذا اوّل قربانی کرنا واجب ثابت ہوا ۲؎ یہ لفظ خود حکم ہے۔ دوسری کے کرنے کا اور حکم واجب ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ اس لئے یہ دوبارہ قربانی کرنا واجب ہوا ۳؎ "اس کو اُس کی جگہ کر دو" بھی حکم ـــ وجوب کے لئے ہے۔ دوسری کے واجب ہونے کو ثابت کرتا ہے ۴؎ واجب کی جگہ پر ہی واجب کو کیا جا سکتا ہے۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ پہلی بھی واجب تھی جو غلط ہو گئی ۵؎ "تمہارے بعد کسی کو یہ کافی نہ ہوگا" اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ بکری کا بچہ ان کے واسطے کافی ہے۔ وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسروں کے لئے کافی نہیں۔ یہ کافی ہونا نہ ہونا بھی ضروری و واجب کام کے لئے ہی کیا جا سکتا ہے اس لئے اس سے یہ ثابت ہوا کہ ان کا واجب تو ادا ہو جائے گا۔ اور دوسروں کے لئے کافی نہ ہونے سے ان کا واجب ادا نہ ہوگا۔

(۸) آٹھویں دلیل۔ بخاری و مسلم میں حضرت انس بن مالک رضؓ سے روایت ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم يوم النحر من كان ذبح قبل الصلوٰة فليعد الحديث

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کے دن فرمایا جس نے نماز سے پہلے قربانی کر لی ہے وہ دوبارہ کرے۔

ظاہر ہے کہ یہ دوبارہ کا حکم ہے۔ لہٰذا دوسری واجب اور دوبارہ جبھی واجب ہوئی جب پہلی صحیح نہ ہو اور وہ خود ضروری و واجب ہو۔ اگر پہلی واجب نہ ہوئی تو دوبارہ کا حکم کیوں ہوتا۔ اس لئے دونوں کا واجب ہونا ثابت ہے۔

(۹) نویں دلیل بخاری و مسلم میں حضرت جندب بن سفیان بجلی سے روایت ہے کہتے ہیں۔ کہ میں عید الاضحیٰ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ ارشاد فرمایا۔

من ذبح قبل ان يصلی فليعد مكانها اخرى ومن لم يذبح فليذبح

جس نے نماز سے پہلے قربانی کر لی ہو وہ اس کی جگہ دوبارہ کرے۔ اور جس نے نہیں کی وہ اب کرے۔

غلط پر دوبارہ کا حکم اور اس کی جگہ دوسری کرنے کا حکم اور نہ کرنے کا حکم تینوں قربانیوں کو واجب ثابت کرتا ہے۔

(۱۰) دسویں دلیل مسلم شریف کی حدیث ہے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ

صلی بنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم يوم النحر بالمدينة فتقدم رجال فنحروا وظنوا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد نحر فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من كان نحر قبله ان يعيد بنحر اٰخر ولا نحروا حتى ينحر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

عید الاضحیٰ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ہم لوگوں کو نماز پڑھائی۔ تو کچھ لوگ ایسے بھی حاضر ہوئے۔ جنہوں نے پہلے قربانی کر لی تھی۔ اور گمان یہ کئے ہوئے تھے کہ حضورؐ نے قربانی کر لی ہے حضور نے حکم فرمایا۔ کہ جس نے اس سے پہلے قربانی کر لی ہے۔ وہ دوبارہ دوسری قربانی کرے اور جب تک اللہ کا نبی قربانی نہ کرے قربانی نہ کیا کریں۔

دوبارہ قربانی کا حکم پہلی دوسری دونوں کو واجب ثابت کرتا ہے۔

(۱۱) گیارہویں دلیل۔ مبسوط سرخسی ج ۱۲ ص۸ پر ہے کہ

قال صلی اللہ علیہ وسلم ضحوا فانها سنة ابيكم ابراهيم عليه السلام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تم سب لوگ قربانی کرو کہ وہ تمہارے دادا ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے۔

سوال ہو سکتا ہے۔ کہ یہاں تو قربانی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت فرمایا ہے۔ تو وجوب کہاں ثابت ہوا۔ جواب تکملہ فتح القدیر (ج ۸ ص ۴۲۸) میں ہے کہ "ضحوا" (قربانی کرو) امر کا صیغہ ہے۔ اور امر وجوب ہی ثابت کرتا ہے۔ رہا سنت کا لفظ تو سنت دینی طریقہ کو کہا جاتا ہے" یعنی یہ لفظ اصطلاحی معنے میں سنت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سنت کے معنے یہ بنیں گے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا محض فعل ہو خود آنحضرت پر واجب نہ ہو۔ اور قرآن شریف میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے جواب کی صورت میں ارشاد ہوا یَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ (اے ابا آپ وہی کیجئے جس کا آپ حکم دیئے جاتے ہیں) اس سے ان پر حکم ہونا معلوم ہو رہا ہے ان پر وجوب ثابت ہو رہا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ خود اس حدیث کے لفظوں میں اس کی دلیل موجود ہے۔ کہ یہاں سنت کے لغوی معنے طریقہ کے ہی ہیں۔ اصطلاحی معنے صرف فعل نبی کے نہیں ہیں اور طریقہ فرض و واجب کو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ وہ دلیل یہ ہے کہ ضحوا امر ہے حکم وجوبی ہے۔ اگر سنت سے اصطلاحی معنے غیر واجب فعل ہوگا تو یہاں سنت ابراہیم علیہ السلام ہونے کو اس کو حکم کی علت کر کے بیان فرمایا گیا ہے۔ یہاں لفظ سنت سے طریقہ مراد نہ ہو۔ اصطلاحی سنت ہی مراد ہو تو لازم آئے گا کہ حکم تو وجوبی ہو اور علت وجوبی نہ ہو۔ اگر علت غیر وجوبی ہو گی تو معلول یعنی حکم غیر وجوبی بن کر حکم کا امر وجوبی اور علت سے اور غیر وجوبی ہونا لازم اور اجتماع نقیضین کا محال لازم آئے گا۔ لہٰذا سنت سے وجوبی طریقہ مراد ہونا ضروری ہے۔ ورنہ حدیث شریف کا مفہوم ہی محال ہو جائے گا۔ رہا یہ کہ اگر وجوبی طریقہ مراد ہو۔ تو پھر لفظ سنت سے تعبیر میں کیا نکتہ ہے۔ تو اس میں دو نکتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کا طریقہ ہے۔ تو جو ثواب ان کو ملا تھا۔ وہی ثواب تم لوگوں کو ملے گا۔ اور ظاہر ہے کہ ان کو لخت جگر کی قربانی کا حکم تھا لخت جگر بھی وہ عظیم الشان کہ ہونے والا نبی تھا۔ ان کی جگہ حق تعالیٰ نے ایک فدیہ قائم مقام بنایا ہے۔ جو ثواب ان ہونے والے نبی لخت جگر کی قربانی سے ملتا وہ اس قائم مقام سے عطا فرمایا ہے۔ اور جب یہ ان کا طریقہ ہے تو ہر اس شخص کو جو ان کی اس روش پر چلے گا۔ ایسا ہی ثواب ملے گا۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ یہ طریقہ حضرت ابراہیمؑ کے یہاں کی . . . . . قربانی کا طریقہ ہے۔ آں پر فضل و کرم نے آسان طریقہ مقرر کیا تھا۔ وہی اُمت محمدیہ کے لئے ہے۔ اور وہ طریقہ نہیں جو حضرت آدم علیہ السلام سے بنی اسرائیل تک جاری رہا کہ قربانی کا جانور یا مال پہاڑ پر رکھ دیا جاتا تھا۔ اور آسمان سے آگ نازل ہوتی اور اس کو کھا جاتی تھی۔ تو حق تعالیٰ کا رحم و کرم ہے کہ اُمتِ محمدیہ کے واسطے قربانی کا ابراہیمی طریقہ شروع فرمایا ہے۔ قدیم طریقہ شروع نہیں فرمایا۔

(۱۲) بارہویں دلیل۔ مشکوٰۃ میں امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کو دست مبارک سے ذبح فرمایا اور فرمایا

اللهم هذا عنی وعن من لم يضح من امتی۔ (اے اللہ یہ میری جانب سے ہے۔ اور میری اُمت میں سے ہر اس شخص کی طرف سے ہے جس نے قربانی نہیں کی)

اگر اس سے اُمتیوں کے کسی قصور کی تلافی مقصود نہ ہوتی اور صرف ثواب بخشنے کے لئے ہی ان کی طرف سے فرمائی جاتی۔ تو جس نے قربانی نہیں کی" کی خصوصیت کی وجہ نہیں رہتی۔ کیونکہ ثواب اور حضورؐ کے افعال کے ثواب کے تو سب ہی ضرورت مند ہیں۔ ان کی خصوصیت بتاتی ہے۔ کہ یہ کسی ترک واجب کے قصور کی تلافی کے لئے فرمایا گیا ہے۔

گو اس سے ان کا وجوب تو ادا نہ ہوگا جیسے آگے آتا ہے۔ مگر حضور کے فعل کے ثواب کی عظمت شان سے اس قصور کی بہت کچھ تلافی ہو جاتی ہے گی۔ اس لئے اس سے اُمتیوں پر واجب ہونا ثابت ہوا۔

(۱۳) تیرہویں دلیل۔ مشکوٰۃ میں ترمذی، ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ سے نقل ہے۔ کہ حضرت مخنف بن سلیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا ہے

اِنّ علیٰ کل اھل بیت فی کل عام اُضْحِیۃ وعتیرۃ۔ بیشک ہر ایک گھر والے کے ذمہ ہر ایک سال میں ایک قربانی ہے۔ اور ایک عتیرہ عتیرہ ماہ رجب میں ایک جانور کا ذبح کرنا ہے۔ جو پہلے واجب تھا۔ پھر منسوخ ہو گیا۔ مشکوٰۃ میں اس حدیث کے بعد ہے قال ابوداؤد العتیرۃ منسوخۃ (ابو داؤد حدیث بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں۔ کہ عتیرہ منسوخ ہے) مرقات شرح مشکوٰۃ (ج ۲ صـ۲۰۷) میں ہے۔ کہ ابوعبیدہ وغیرہ کا بیان ہے کہ عتیرہ کو اس حدیث صحیح نے منسوخ کر دیا ہے۔ لا فرع ولا عتیرۃ (کہ اسلام میں نہ فرع ہے۔ نہ عتیرہ) اس حدیث میں علیٰ کا حرف ہے۔ جو وجوب ثابت کرتا ہے۔ عتیرہ کا وجوب تو منسوخ ہو چکا ہے۔ اور قربانی کا وجوب باقی ہے۔ کہ اس کو کسی حدیث یا آیت نے منسوخ نہیں کیا۔" بلکہ عینی شرح ہدایہ میں اس کے برخلاف۔ خود قربانی کا دوسرے ہر ذبح کو منسوخ کرنا بیان ہے۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے۔ کہ زمانہ جاہلیت میں تین قسم کا خون بہانا معمول تھا۔ رجبیہ، عتیرہ اور عقیقہ ان سب کو قربانی نے منسوخ کر دیا ہے۔ (ج ۴ صـ۱۶۷) عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے۔ کہ اس حدیث کو ترمذی نے حسن غریب کہا ہے۔ اور یہ وجوب ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ اور اس کے بعد جن راویوں کو بعض کو مجہول کہا تھا۔ ایک ایک کرکے ان کا مشہور ومعروف ہونا بیان کر دیا ہے (ج ۱۰ صـ۶۹)

سوال ہو سکتا ہے کہ اس حدیث سے تو سارے گھر والوں پر صرف ایک قربانی کرنے کا واجب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ جواب میں امام سرخسی کہتے ہیں۔ کہ اہل بیت سے سب گھر والے مراد نہیں، بلکہ ایک گھر والا مراد ہے۔ یعنی گھر کا ذمہ دار اور عادت ورواج کے موافق صرف وہی گنجائش دار ہوتا ہے۔ اور اس مراد لینے کی دلیل یہ ہے۔ کہ بعض روایات میں علیٰ کل مسلم ہے۔ یعنی ہر مسلمان پر (مبسوط سرخسی ج ۱۲ صـ۱۱) حضور کے ارشادات میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اس لئے وہی مفہوم لینا ضروری ہے۔ جو سب کے موافق ہو۔ لہٰذا۔ کل مجموعی نہیں افرادی ہے دلیل ۳ وہ ۱۱ سے اس کی اور تقویت ہوتی ہے۔ کہ ہر ہر گنجائش دار مسلمان کو حکم ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں بھی گھر کا ذمہ دار یعنی گنجائش دار ہی مراد ہے۔ اصطلاحی لفظوں میں یوں سمجھئے کہ کل اہل بیت محتمل ہے۔ کئی معنے رکھتا ہے۔ اور کل مسلم اور من وَجَدَ اور ضحوا محکم ہیں۔ اصول فقہ کا مسلمہ اصول ہے۔ کہ محتمل کو محکم کے موافق قرار دینا ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے ہر گنجائش دار مسلمان مراد لینا ہی ضروری ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس حدیث میں گھر والے کا تو ذکر ہے۔ گھر کے اندر والوں کا ذکر نہیں ان کے ذکر نہ ہونے سے ان پر حکم نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ ان پر دوسری حدیثوں سے حکم ثابت ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ گھر والا وہی ہے جو گھر اور ساز وسامان ضروریاتِ زندگی کا ذمہ دار ہو۔ خود مالک ہو۔ تو یہ گنجائش دار کا مفہوم ہوا چوتھی بات یہ کہ گھر والے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ الگ گھر اور اور ضروریات کا مالک ہو۔ دوسرے یہ کہ گو مکان ایک ہو۔ مگر ضروریات کا مستقل مالک قدر نصاب کا مالک ہو۔ ہر گھر میں کئی مالکِ ضروریات ہوں گے۔ تو وہ بھی گو الگ نہ ہوں۔ ایک گھر والے ہیں۔ ورنہ اگر یہی ظاہری معنے لئے جائیں تو لازم ہے کہ بالکل غریب گھر والے پر بھی واجب ہو اور حدیث کی گنجائش والی شرط نہ رہے۔

اوجز المسالک میں حضرت عبد اللہ بن عمر کا ارشاد نقل ہے۔ ان یضحی عن کل من فی البیت بشاۃ شاۃ (گھر کے ہر فرد کی طرف سے ایک ایک بکری قربانی کرے (ج ۴ صـ۲۳۱) شبہ ۔ آگے اسی مضمون پر ہے۔ اس کا جواب بھی غور سے دیکھا جائے۔

(۱۴) چودھویں دلیل۔ مشکوٰۃ میں ابوداؤد اور نسائی سے روایت ہے۔ کہ عبد اللہ بن عمرو کہتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ میں اضحی (قربانی) کے دن عید کا حکم دیا گیا ہوں۔ جو اللہ تعالےٰ نے اس اُمت کے لئے مقرر فرمائی ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہؐ فرمائیے اگر میں سوائے اس اونٹنی کے جس کو میں نے دودھ اُون وغیرہ کا فائدہ اٹھانے کے لئے واپسی کی شرط پر کسی کو دے رکھی ہے۔ اور کوئی نہ پا سکوں۔ تو کیا اس کی قربانی کر لوں۔ فرمایا نہیں تم تو اپنے بال اور ناخن لو اور مونچھیں کاٹو اور زیر ناف کو صاف کر لو۔ خدا تعالےٰ کے نزدیک یہی تمہاری قربانی کی تکمیل ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس کے پاس گنجائش نہ ہو۔ اس کے لئے قربانی کا ثواب حاصل کرنے کا ذریعہ یہ ہے۔ لیکن اس سوال وجواب سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ گنجائش دار پر قربانی واجب ہے۔ اور جس کے پاس صرف ایک ہی جانور ہو۔ یا گنجائش نہ رکھے۔ اس پر واجب نہیں۔ دوسری بات ایک اور بھی غور کرنے کی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عید کے مقرر فرمائے جانے کو ذکر فرمایا تھا۔ قربانی کا ذکر بھی نہیں فرمایا تھا۔ پھر یہ صحابی قربانی کو اور اس اونٹنی کے ذبح کو کیوں پوچھتے ہیں۔ اس سوال سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ عید کے مقرر وواجب ہونے کے ساتھ قربانی کا مقرر اور واجب ہونا بھی سمجھا جا رہا ہے۔ اس لئے اُن کو خیال ہوا۔ کہ صرف ایک اونٹنی ہے۔ اگر وہی واجب ہو تو قربانی کر دیں۔ مگر صرف اس پر وجوب نہ تھا۔ تو حضورؐ نے دوسری صورت ارشاد فرمائی۔

(۱۵) پندرھویں دلیل۔ مرقات شرح مشکوٰۃ (ج ۲ صـ۲۷۱) اور عینی شرح ہدایہ (ج ۴ صـ۱۶۸) میں یہ حدیث نقل ہے۔

عن عائشۃ یا رسول اللہ استدین واضحی قال نعم فانہا دین مقضی۔

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں قرض لے کر قربانی کر لوں۔ فرمایا ہاں کر لو یہ قرض اللہ تعالےٰ کی طرف سے ادا کرا دیا جاتا ہے اگر قربانی واجب نہ ہوتی اور اس کی ادائیگی ضرورت کے درجہ میں نہ ہوتی تو قرض لینے کی اجازت نہ عطا فرمائی جاتی۔ جبکہ بے ضرورت قرض لینے پر ناگواریاں ظاہر فرمائی جا چکی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس پر قربانی واجب ہو اور نقد اس کے پاس نہ ہو تو اس کو قرض لے لینا درست ہے۔

(۱۶) سولہویں دلیل۔ مشکوٰۃ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے۔

اقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ عشر سنین یضحی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال قربانی کر کر کے مدینہ میں قیام فرمایا ہے۔

(ہدایۃ المجتہد (ج ۱ صـ۲۹۵) میں ہے۔ کہ جو حدیثیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضور نے کبھی قربانی نہیں چھوڑی۔ حتیٰ کہ سفر میں بھی نہیں چھوڑی۔" اگر واجب نہ ہوتی تو جواز ترک کو ظاہر کرنے کے لئے کبھی تو حضور چھوڑتے جیسے اور تمام سنتوں کے لئے معمول مبارک تھا۔ اب حضورؐ کا دوام فرمانا اور ترک پر وعید فرمانا واجب ہونے کی دلیل ہے۔

(۱۷) سترھویں دلیل۔ کنز العمال (ج ۳ صـ۲۰) میں مسند دیلمی سے حضرت عائشہؓ کی حدیث روایت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔

ضحوا وطیبوا بہا انفسکم فانہ لیس من مسلم یوجہ اضحیۃ الی القبلۃ الا کان دمہا وقرنہا وصوفہا حسنات محضرات فی میزانہ یوم القیامۃ

قربانی کرو اور اس کے ساتھ دل کو خوش رکھو کیونکہ کوئی مسلمان نہیں کہ اپنی قربانی کو قبلہ رُو کرتا ہے۔ مگر اس کا خون اور سینگ اور اُون سب نیکیاں بن جاتی ہیں۔ جو قیامت کے دن میزان میں موجود ہوں گی۔

قربانی کرو حکم ہے۔ اس سے وجوب ثابت ہوا۔ اور اس کو خوشدلی سے کرنے کا بھی حکم ہے۔

(۱۸) اٹھارہویں دلیل۔ کنز العمال (ج ۳ ص ۲۱) میں عمر بن حریث کے واسطہ سے ان کے والد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت ہے۔

لا ذبیحۃ لغیر اللہ ولا ذبیحۃ علیکم الا واحدۃ اضحیۃ لعشر ذی الحجہ (الحدیث)

اللہ کے سوا کسی کے لئے ذبیحہ حلال نہیں اور تم پر کوئی ذبیحہ واجب نہیں۔ سوائے ایک کے قربانی دس ذی الحجہ کے دن۔

علی کا حرف وجوب کی ذمہ داری کے لئے ہوتا ہے۔ اس سے وجوب ثابت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اور کوئی ذبیحہ واجب نہیں۔

(۱۹) انیسویں دلیل۔ آیات واحادیث کے بعد اجماع اُمت سے بھی اس کا وجوب ثابت ہے۔ گو بعض ائمہ کرام سے سنت ہونا منقول ہے۔ مگر شروع میں اختلاف وجوب وسنت اور عقیدہ کا بیان میں عرض کیا جاچکا ہے۔ کہ ان کے سنت کہنے کے معنے یہ نہیں کہ چھوڑنے میں گناہ نہیں ہے۔ اور جب چھوڑنا گناہ ہوگا۔ تو کرنا واجب کا درجہ پالے گا صرف لفظ کا فرق رہ جاتا ہے۔ اس لئے سب کے نزدیک واجب بالمثل واجب ضرور ہے اور مشروع یعنی حکم شرعی ہونے پر تو سب کا اجماع شروع میں عقیدہ کے بیان میں ذکر ہوچکا ہے۔

(۲۰) بیسویں دلیل۔ احکام القرآن للجصاص (ج ۳ ص ۳۰۸) میں یہ حدیث ہے۔

عن ابی جعفر قال نسخت الاضحیۃ کل ذبح کان قبلھا ونسخت الزکوٰۃ کل زکوٰۃ کانت قبلھا ونسخ صوم رمضان کل صوم کان قبلہ ونسخ غسل الجنابۃ کل غسل کان قبلہ۔ (عینی شرح ہدایہ ج ۴ ص ۱۶۸)

حضرت ابوجعفر سے روایت ہے کہ قربانی نے ہر ذبیحہ کے وجوب کو جو اس سے پہلے تھا، منسوخ کردیا ہے۔ اور زکوٰۃ نے ہر فرض خیرات کو جو اس سے پہلے تھی۔ اور رمضان کے روزہ نے ہر فرض روزہ کو جو اس سے پہلے تھا۔ اور غسل جنابت نے ہر غسل کو جو اس سے پہلے تھا منسوخ کردیا ہے۔

عینی شرح ہدایہ (ج ۴ ص ۱۶۸) میں اس روایت کو دارقطنی کے حوالہ سے حضرت علی رضؓ کے واسطہ سے حضور کا ارشاد ہونا نقل کیا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ قربانی اپنے سے پہلے ہر ذبیحہ کو منسوخ کررہی ہے۔ اور منسوخ کرنے کا قاعدہ قرآن شریف میں یہ ہے۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا (جو آیت ہم منسوخ کردیں گے یا بھلا دیں گے اس سے بہتر یا برابر کا حکم لائیں گے) لہٰذا ناسخ کا منسوخ سے بہتر یا برابر ہونا ضروری ہے۔ اب اگر منسوخ حکموں میں سے سب یا ایک بھی واجب ہوگا۔ تو ناسخ کا واجب یا فرض ہونا ضروری ہے۔ تاکہ وہ منسوخ سے کم درجہ کا نہ ہوسکے برابر کے درجہ کا ہو یا بڑے درجہ کا ورنہ حسب قاعدہ الٰہیہ وہ ناسخ نہ بن سکے گی۔ دلیل ۱۳ میں عتیرہ کا واجب ہونا معلوم ہوچکا تھا جب وہ قربانی سے منسوخ ہوگا۔ تو ضرور ہے کہ قربانی واجب یا فرض ہو۔

(۲۱) اکیسویں دلیل۔ اللہ تعالےٰ کے لئے نذر یا منّت جو مان لی جاتی ہے۔ کہ اگر فلاں کام ہوگیا تو مجھ پر اللہ کے لئے لازم ہے۔ کہ میں یہ کروں گا۔ اس کا قاعدہ یہ ہے کہ کام ہونے پر جس عبادت کی نذر کی ہے۔ اگر وہ خود واجب ہو یا اس کی جنس میں سے کوئی فرد واجب ہو تو نذر صحیح اور اس کو پورا کرنا واجب ہے اگر وہ خود یا اس کی جنس کا کوئی فرد بھی واجب نہیں تو نہ نذر صحیح نہ اس کا پورا کرنا واجب چنانچہ اگر کوئی نذر کرے کہ فلاں کام ہوگیا۔ تو میں زید کی بیمار پرسی کروں گا۔ یہ نذر نہیں ہوتی۔ اور کچھ واجب نہیں ہوتا۔

اس قاعدہ کے بعد معلوم کیجئے کہ اگر کوئی شخص نذر کرتا ہے۔ کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں ایک قربانی کروں گا یا بکری ذبح کروں گا۔ یہ نذر صحیح اور قربانی کرنا واجب ہوجاتا ہے۔ یا وہ جانور ذبح کرنا کیونکہ قربانی کی نذر میں تو خود قربانی ہی واجب اور ذبح کی نذر میں ذبح کی جنس کا ایک فرد قربانی واجب ہے۔ اگر قربانی واجب نہ ہوتی تو یہ نذر صحیح نہ ہوتی نہ وہ ہوتی۔ اور کچھ واجب نہ ہوتا۔ یہ نذر کا صحیح ہونا قربانی کے واجب ہونے کی ایک دلیل ہے۔

(۲۲) بائیسویں دلیل۔ احکام القرآن ابوبکر جصاص (ج ۳ ص ۳۰۸) میں ہے کہ اگر حدیثوں میں تعارض بھی مان لیا جائے کہ قربانی بعض سے واجب اور بعض سے سُنت ثابت ہوتی ہے تو حدیثیں وجوب کی ہی راجح قرار پاتی ہیں۔ اس لئے تمام اصولیوں کا متفقہ قاعدہ ہے۔ کہ منع مقدم اور راجح ہوتا ہے۔ اباحت سے اور قربانی کے واجب ہونے کی صورت میں ترک مباح منع ہوگا اور سنت ہونے کی صورت میں ترک مباح لہٰذا منع راجح و مقدم ہونے کی وجہ سے ترک کا منع ہونا اور قربانی کا فعل واجب ہوکر راجح و مقدم ہوگا۔ ترک کے مباح اور فعل کے سنت ہونے سے

دفع شبہات

مسئلہ قربانی پر جو شبہات وارد ہوتے ہیں وہ تین قسم کے ہیں۔ ایک تو واجب ہونے پر شبہات آیات و احادیث سے ہوسکتے ہیں جن میں سے سوال سوال کے عنوانات سے ہر دلیل کے تحت خاص اس دلیل پر کے شبہات اور جوابات پیش کئے جاچکے ہیں۔ اور نفس وجوب پر عام شبہات اور ان کے جوابات اب پیش ہوتے ہیں، اوّل یہی پیش ہوں گے۔ دوسری قسم کے وہ شبہات ہیں۔ جو آیات و احادیث سے کسی غلط فہمی کی بنا پر پیدا ہورہے ہیں۔ یا بعض لوگ قصداً ذہنوں میں الجھاؤ ڈالنے کے لئے پیش کردیتے ہیں۔ اور تیسری قسم کے وہ شبہات ہیں جو عقل پرستوں نے دستور بنا رکھا ہے۔ کہ اسلامیات کو اپنی فرسودہ عقل کے بے مایہ پرچیاں کرتے ہیں اور پھر شکوک و شبہات میں پڑتے اور ڈالتے رہتے ہیں۔

نفس وجوب پر شبہات

(۱) صحاح ستہ میں بجز بخاری کے سب میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں۔ کہ "جو تم میں سے ذی الحجہ کا چاند دیکھ لے اور قربانی کا ارادہ کرے۔ وہ اپنے بال اور ناخن کاٹنے سے رُک جائے" اس حدیث میں ارادہ کرے فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قربانی واجب نہیں صرف ارادہ پر موقوف ہے۔ جواب یہ شبہ تو بہت کمزور شبہ ہے۔ کیونکہ ارادہ تو واجب غیر واجب سب سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔ من اراد الصلوٰۃ فلیتوضأ (جو نماز کا ارادہ کرے وہ وضو کرے) تو کیا نماز فرض نہ رہے گی۔ ایسے ہی حدیث شریف میں ہے۔ من اراد الجمعۃ فلیغتسل (جو جمعہ کا ارادہ کرلے وہ غسل کرے) حالانکہ جمعہ فرض ہے اور ایک حدیث میں ہے۔ من اراد الحج فلیعجل (جو حج کا ارادہ کرے وہ جلدی کرے) حج بھی فرض ہوتا ہے۔ بلکہ قرآن شریف میں ایمان و کفر کے لئے بھی دھمکی کے طور پر وارد ہے مَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ (جو چاہے ایمان لے آئے جو چاہے کفر کرے) اور ہر نیک عمل کے واسطے نیّت کی ضرورت ہے۔ نیّت ارادہ کا جزو ہے لہٰذا ارادہ کے لفظ سے واجب نہ ہونے کا شبہ لغو ہے مراد یہ ہے کہ جو اس وجوب کی ادائیگی کا قصد کرے وہ یہ کام کرے اور جمع الفوائد (ج ۱ ص ۲۰۴) میں مسلم اور سنن اربعہ کے حوالہ سے یہ لفظ ہے۔ جس کے لئے ذبح کرنا ہو . . . . کہ وہ اسے ذبح کرے تو جب ذی الحجہ کا چاند دیکھ لے ایسا کرے۔ وہاں ارادہ کا لفظ بھی نہیں معلوم ہوا کہ مراد واجب ادائیگی کا قصد ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ "جو ارادہ کرے" کا جواب تو بال ناخن کاٹنے سے رُک جائے ہے۔ قربانی ارادہ پر کہاں موقوف ہے تیسری بات یہ کہ اس حدیث میں تو چند احتمالات ہیں۔ اور دلیل ۶ کی حدیث میں کوئی اور احتمال نہیں۔ اس لئے وہ مقدم ہے اس اصول سے کہ محکم محتمل سے مقدم ہونی ضروری ہے۔

(۲) حدیث شریف میں ہے۔ کہ تین چیزیں مجھ پر فرض ہیں۔ تم پر فرض نہیں۔ نماز چاشت۔ قربانی ۲ (۱)

اور وتر جواب یہ ہے کہ جیسے دلیل اوّل کے آخر میں تیسرے سوال کے جواب میں آچکا ہے۔ اوّل تو یہ حدیث ضعیف ہے۔ اگر تسلیم کی جائے تو فرض نہ ہونا اور شے ہے۔ یہ واجب کے خلاف نہیں بے شک یہ واجب ہے۔ فرض نہیں اور تینوں عبادتوں میں سے جس جس کے واجب ہونے کی دلیلیں ملتی ہیں۔ وہ واجب ہے۔ وہ قربانی اور وتر ہے اور جس کے واجب ہونے کی دلیل نہیں ملتی۔ وہ واجب نہیں اس لئے نماز چاشت واجب نہیں۔ مگر فرض کوئی بھی نہیں ہے

(۳) اگر قربانی واجب ہے تو مسافر پر بھی واجب ہونی چاہیئے۔ حالانکہ سب کا اتفاق ہے کہ مسافر پر لازم نہیں ہے۔ جواب حضرت ابراہیم نخعی سے روایت ہے۔ کہ صحابہ جب مقیم ہوتے تھے۔ قربانی کرتے تھے جب مسافر ہوتے تھے نہیں کرتے تھے (احکام القرآن جصاص ج ۳ ص ۳۰۶) اور قربانی کے لئے بہت سی شرطیں ہیں۔ مثلاً جانور تلاش کرنا پھر ایسا جانور جو ان عیبوں سے خالی ہو۔ جن کے ساتھ قربانی نہیں پھر اس کو ۱۰ ذی الحجہ تک رکھنا اور اگر ایسی جگہ ہو جہاں نماز عید ہوتی ہے۔ تو اس کی پابندی کہ نماز سے پہلے نہ ہو بعد میں ہو۔ اگر دیہات وغیرہ میں ہے۔ تو ۱۰ کی صبح صادق سے پہلے نہ ہو۔ اور ۱۲ تاریخ کے غروب کے بعد نہ ہو۔ اور ان دنوں تک جانور کی ضروریات اور حفاظت کا انتظام یہ سب چیزیں مسافر کے لئے فراہم ہونا مشقت سے خالی نہیں۔ تو جیسے شرائط کی مشقت کی وجہ سے مسافر پر جمعہ نہیں۔ قربانی بھی نہیں اور جیسے پانی نہ ملنے کے وقت وضو ساقط تیمم کافی ہے۔ اور سفر میں خرچ کم پڑنے پر مشقت کے اندیشہ میں پانی گراں نہ خریدنا تیمم کرنا اور وضو ترک کرنا درست ہے۔ سفر میں ترک قربانی بھی درست ہے گو کرنے پر ثواب ہوگا۔

۴ حدیث شریف میں ابراہیم علیہ السلام کی سنت فرمایا ہے۔ پھر واجب کہاں ہوئی۔ جواب دلیل ۱۱ میں گزر چکا ہے کہ بعض حدیثوں میں ضحوا (قربانی کرو) کا وجوبی حکم ہے۔ یہاں بھی سنت سے وجوبی طریقہ ہی مراد لینا ہے۔ تاکہ اختلاف نہ ہو۔ اور سنت سے محض نفل نبی مراد نہیں۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر فرض تھی۔ سنت دینی طریقہ کو بھی کہتے ہیں۔ واجب ہو یا نہ ہو۔ یہ طریقہ ابراہیمی ہے۔ اسرائیلی نہیں۔ پھر اس میں حضرت ابراہیمؑ جیسا ثواب ہے۔

۵ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کبھی ایک سال اور کبھی دو سال تک قربانی نہ فرماتے تھے۔ اگر واجب ہوتی تو کیوں ترک فرماتے۔ جواب دلیل ۶ کی حدیث میں قربانی کی شرط گنجائش رکھنا آئی ہے جس سال گنجائش یعنی قدر نصاب زکوٰۃ نہ ہو واجب نہیں رہا۔ یہ کہ پھر قربانی کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے کیوں نہیں کی۔ جواب یہ ہے۔ کہ اس اندیشہ سے کہ لوگ یہ نہ سمجھ لیں۔ کہ گنجائش ہو یا نہ ہو ہر حال میں قربانی واجب ہے چنانچہ بعض روایات میں اس کا ذکر بھی ہے۔ اور یہ تو ظاہر بات ہے۔ کہ امیرالمؤمنین کو بیت المال سے بقدر گزر کے ملتا تھا۔ اور دوسرا کوئی مشغلہ وہ نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس لئے واجب ہونے کا احتمال بھی مشکل ہے۔ اور بہت ممکن ہے جن سالوں میں آپ نے قربانی نہیں کی آپ قربانی کے دنوں میں سفر میں ہوں۔ اور وہاں بھی فضیلت حاصل نہ کرنے کی وجہ یہی ہو کہ لوگ سفر میں واجب قرار نہ دے لیں۔

۶ حضرت ابومسعود انصاریؓ کا قول ہے کہ "مجھ پر صبح و شام ایک ہزار بکریاں گزرتی ہیں۔ مگر میں قربانی نہیں کرتا۔ کہ مبادا لوگ اس کو واجب قرار دے لیں" جواب وہی ہے کہ شرط نہ پائے جانے کے وقت یا سفر میں یا قرض ہونے کے وقت اس خوف سے تھا کہ لوگ ہر حال میں واجب نہ قرار دے لیں۔ تو یہ وجہ واجب نہ ہونے کے وقت فضیلت نہ حاصل کرنے کی ہے۔ اور عینی شرح بخاری (ج ۱۰ ص ۶۱) میں اس طرح ہے کہ "میں باوجود فراغت کے بعض دفعہ اس کے لئے قربانی نہیں کرتا کہ میرے پڑوسی یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ فرض ہے" تو یہ سب واجب کے شرائط نہ ہونے کے وقت کے یا سفر کے واقعات ہیں۔ اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر اور حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہم کے افعال کو عذر پر محمول کرنا اس لئے ضروری ہے۔ کہ بغیر عذر و شرائط ترک مانا جائے۔ تو دو صورتیں ہیں یا واقع میں واجب ہو۔ اور اس خدشہ سے ترک کیا کہ لوگ فرض نہ سمجھ لیں اور لفظ واجب کو فرض کے معنے میں لے لیا جائے۔ کیونکہ واجب ان معنے میں آسکتا ہے۔ اور حضرت ابومسعودؓ کی عینی والی روایت میں فرض کا ہی لفظ ہے بھی۔ تو یہ اس لئے درست نہیں ہوتا کہ واجب کا ترک کرنا تو کسی حال میں بغیر عذر کے درست ہی نہیں ہوتا اس لئے ایسے جلیل القدر صحابہ سے یہ نہیں ہو سکتا یہ تو معمولی مسلمان سے بھی مشکل ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے۔ کہ واقع میں قربانی سنت ہی ہو اور یہ سب حضرات سنت ہی سمجھتے ہوں تو بھی صحابہ جیسے عشاق سنت رسول سے بلا عذر سنت کا ترک سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اور ان لفظوں سے کہ کوئی واجب نہ سمجھ لے" یہ معنے لینا کہ ترک کا جواز ظاہر کرنے کے لئے کیا ہے۔ تاکہ ان کے ہمیشہ عمل کرنے سے لوگ اس کو واجب نہ سمجھ لیں۔ تو یہ بھی عقل قبول نہیں کر سکتی۔ کیونکہ یہ منصب تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ کہ ان کا ہمیشہ کا فعل بلا ترک مطلق مع وعید تو وجوب کے لئے ہو اور کبھی کبھی ترک کرنا عدم وجوب ظاہر کرنے اور جواز ثابت کرنے کے لئے ہو۔ یہ کسی اُمتی کا منصب نہیں ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان حضرات کے ترک کو عدم گنجائش یا سفر یا قرض وغیرہ شرائط موجود نہ ہونے پر محمول کیا جائے۔ اب شرائط نہ ہونے کے باوجود ہمیشہ کرنے پر البتہ غیر واجب کو لوگوں کے واجب سمجھنے کا شبہ ہو سکتا تھا کہ باوجود مشقت و دقت کے ادا کرنا ضروری ہونا بتاتا ہے۔ اس وقت ان جوابات کا مطلب صحیح بن سکتا ہے۔ کہ واجب سمجھ جانے کے اندیشہ سے نہیں کیا۔ لہٰذا ان تینوں حضرات کا یہ فعل سنت ہونے کو ثابت نہیں کرتا۔ بلکہ ایک طرح سے واجب ہونے کو ہی ثابت کرتا ہے۔ کہ شرائط پر واجب تھی بلا شرائط غیر واجب تو بلا شرائط کے دوام پر غیر واجب کو واجب سمجھے جانے کا اندیشہ قوی اندیشہ تھا۔

۷ فتح الباری شرح بخاری ج ۱۰ ص ۳ میں یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر سے پوچھا کیا قربانی واجب ہے۔ فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی ہے اور حضور کے بعد مسلمانوں نے قربانی کی ہے" تو واجب کے سوال پر حضرت عبداللہ بن عمر نے واجب نہیں فرمایا کہ بلکہ حضور اور صحابہ کا فعل ہونا بتایا ہے جس سے قربانی کا سنت ہونا ثابت ہو سکتا ہے جواب یہ ہے کہ تو اور واجب ہونیکی دلیل ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو فعل بطور عبادت ہو اور ہمیشہ بلا ترک ہو۔ ترک کرنے پر وعید فرمائی ہو۔ اس کا اتباع واجب ہی ہے۔ خصوصاً جبکہ اس کے ساتھ دوسرے ارشادات بھی ہوں۔ جو اُوپر پیش کئے جا چکے ہیں۔ اس لئے وجوب ثابت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے اس کو تمام مسلمانوں کا تعامل بھی قرار دیا ہے جس منشا بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل عبادت کا بطور دوام کے ہو کر وجوب کے لئے نہ ہوتا تو سارے مسلمان اس شدت سے کیوں اس کی پابندی کرتے یہ تعامل اس کی دلیل ہے کہ یہ فعل بطور عادت نہیں۔ بطور عبادت تھا۔ اور غیر ضروری نہیں واجب اور ضروری ہی تھا۔ بلکہ اور غور کیجئے تو حضرت عبداللہ بن عمر کے جواب کا منشا یہ معلوم ہو رہا ہے۔ کہ وجوب اور سنت کو پوچھنا ہی فضول ہے۔ جب حضور اور سب صحابہ نے کیا ہے۔ تو ہم کو کرنا ہی ہے۔ اس قسم کے سوالات اس کی اہمیت کو کم کر دیتے ہیں۔ یہ تو ضروری ہی کرنا ہے۔ اس لئے یہ تو وجوب کو اہم کر کے بیان فرما رہے ہیں۔

۸۔ بہت حدیثوں میں آیا ہے۔ کہ حضورؐ نے ایک مینڈھا ذبح کیا۔ اور دعا کی کہ اے اللہ اس کو محمدؐ آل محمدؐ اور اُمت محمدؐ کی

طرف سے قبول فرما۔ اور بعض حدیثوں میں ایک حضور کی طرف سے اور دوسرا تمام اُمّت کی طرف سے آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بکرا یا مینڈھا یا دُنبہ بہت لوگوں کی طرف سے قربانی کیا جا سکتا ہے۔ اگر قربانی ہر ایک پر واجب ہوتی تو الگ الگ ہر ایک کو ایک ایک کرنا ضروری ہوتا۔ جواب یہ قربانی نفلی تھی واجب نہ تھی۔ جہاں دو کا ذکر ہے۔ وہاں ایک حضورؐ کی واجب اور دوسری نفلی کا بیان ہے۔ اور جہاں ایک کا ذکر ہے وہ صرف اس دوسرے کا ذکر ہے۔ پہلے کا ذکر راوی نے نہیں کیا کہ وہ تو معلوم ہی ہے۔ اور ویسے آنحضورؐ نے ساٹھ، ستّر اور ستّو ستّو اُونٹ تک ذبح فرمائے ہیں۔ اور ازواج مطہرات نے گائے۔

اور یہ مینڈھا جس میں حضور نے ساری اُمّت کی طرف سے قبول فرمانے کی دعا کی تھی۔ اس کو نفلی قربانی ماننا ضروری ہے۔ ورنہ لازم آئیگا اگر یہ قربانی واجب قربانی ہو۔ اور ساری اُمّت کی طرف سے ہو تو اُمّت میں تو خود نبیؐ اہل بیت اور وہ لوگ بھی تھے۔ جو اس وقت تک انتقال کر چکے تھے وہ بھی تھے۔ جو موجود تھے۔ وہ بھی تھے جو ابھی تک پیدا نہ ہوئے تھے۔ اور تا قیامت ہوتے رہیں گے۔ اگر اس سے واجب الادا ہو جاتا تو حضور کو ستّو ستّو اور ازواج مطہرات کو گائے کرنے کی ضرورت نہ تھی اور خصوصاً اس سال پھر اوّل سے لے کر قیامت تک سب کا واجب ادا ہو جاتا اور تا قیامت کسی پر نہ رہتا۔ اور پھر حضورؐ موجودہ حضرات کو قربانیوں کے لئے نہ فرماتے ہر سال کی اسی میں ادا ہو چکی ہوتی کہ ہر سال کا ہر مسلمان اُمّت میں ہی ہے۔ اور قربانی کے تمام احکام بیکار ثابت ہوتے۔ دوسرے یہ بات بھی ہوتی کہ جب اس سے واجب ادا ہوتا تو تمام اُمّت پر واجب قرار پاکر ادا ہوتی۔ اُمّت میں بالغ نابالغ، عاقل دیوانہ، غریب، امیر، مرد، عورت، مسافر، مقیم سب ہی داخل تھے تو سب پر واجب ہو کر ادا ہو گی۔ اور ان سب پر واجب ہونا اصول شرع کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔ اور ان لوگوں پر بھی واجب ہونا اور ادا ہونا بھی لازم آئے گا۔ جو پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ یہ تو عقل بھی گوارا نہیں کر سکتی۔ اس لئے لامحالہ یہ ماننا پڑیگا کہ حضورؐ نے یہ نفلی قربانی کی ہے۔ اور سب کو اس کا ثواب بخشا ہے۔ اس لئے اس سے یہ دلیل لینا بالکل درست نہ ہوگا۔ کہ واجب قربانی کئی کئی کی ایک مینڈھے میں ادا ہو سکتی ہے۔

تیسرے امام نووی نے شرح مسلم (ج ۲ ص ۱۵۵) میں لکھا ہے کہ "بکری بالاتفاق صرف ایک ہی کی طرف سے کافی ہو سکتی ہے"

اور علامہ عینی نے شرح ہدایہ (ج ۴ ص ۱) میں لکھا ہے۔ کہ علامہ اترازی نے ذکر کیا ہے کہ "یہ اجماعی بات ہے" اور آگے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت درج کی کہ قال الشاۃ عن واحد (فرمایا بکری ایک ہی کی طرف سے ہے) اوجز المسالک شرح موطا مالک (ج ۴ ص ۲۳۱) میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول نقل کیا ہے۔

ان یضحی من کل من فی البیت شاۃ شاۃ

(گھر والوں کی طرف سے ہر شخص کی طرف سے ایک ایک بکری کی قربانی کرے)

امام مالکؒ کی طرف جو جواز منسوب کیا جاتا ہے۔ تو وہ بھی بطریق شرکت کئی کی طرف سے ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ ایک کرکے اوروں کو ثواب بخش دے تو درست ہے ہدایۃ المجتہد (ج ۱ ص ۳۹۹) میں ہے

واجمعوا علی ان الکبش لا یجزیٔ الا عن واحد الا مارواہ مالک انہ یجزی ان یذبحہ الرجل عن نفسہ وعن اہل بیتہ لا علی وجہ الشرکۃ بل اذا اشتراہ مفردا (تمام علماء نے اجماع کیا ہے کہ ایک مینڈھا صرف ایک ہی طرف سے کافی ہو سکتا ہے۔ کہ سوائے اس کے کہ امام مالک نے روایت کیا کہ یہ کافی ہے کہ اس کو ایک آدمی ذبح کر دے اپنی طرف سے بھی اور گھر والوں کی طرف سے بھی نہ بطریق شرکت کے بلکہ اکیلا خرید کے) صاحب کتاب ابن رشد مالکی ہے۔ اس لئے ان کی نقل مذہب مالکیہ کے باب میں زیادہ مستند ہو سکتی ہے۔ اور ص ۴۰۰ پر لکھا ہے۔ کہ "اس پر تو اجماع ہے ہی کہ کسی قربانی میں سات آدمیوں سے زیادہ شرکت درست نہیں۔ لہٰذا یہ حدیث ایصال ثواب کے لئے ہے۔ اور اس کی بھی دلیل ہے کہ نیک کام کا ثواب زندہ مُردہ سب کو دینا درست ہے"

چوتھے بہت احادیث سے ثابت ہے اور یہ اجماعی مسئلہ بھی ہے کہ ایک اُونٹ یا گائے میں صرف سات حصے ہو سکتے ہیں۔ بکری مینڈھے میں نہیں بلکہ اونٹ گائے واجب ہونے کے وقت نہ تھے۔ تو سات بکریوں کو اس کا قائمقام حدیث میں قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا اگر بکرے مینڈھے دنبہ میں کسی روایت سے کئی حصے یا بحساب حصے معلوم ہوتے ہونگے تو وہ نفلی ہوگی یا واجب کے ثابت ہونے پر ان حدیثوں سے منسوخ قرار دی جائے گی خاص کر جبکہ یہ جانور اُونٹ گائے سے بہت چھوٹے بھی ہیں اور شرعاً بھی ان سے بہت کم درجے کے ہیں۔ جیسے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ جو جمعہ کی فضیلت میں وارد ہے۔ کہ جو سب سے اوّل آئیگا اس کو ایک اُونٹ کی قربانی کا ثواب ملے گا۔ اس کے بعد والے کو گائے کا۔ اس کے بعد والے کو بکری کی قربانی کا۔

پانچویں یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ جن حدیثوں میں صرف ایک ہی مینڈھے کی قربانی کر کے تمام اہل بیت یا تمام اُمّت کی طرف سے قبول کی دعا ہے۔ تو وہ یقیناً صرف نفلی کا بیان ہے۔ اور فرض کا بیان جو دوسری حدیثوں میں دو مینڈھوں کے ذکر سے ہے۔ جن میں ایک اپنی طرف سے کرنے کا ذکر ہے جس کو راوی نے سب کو معلوم ہونے کی بنا پر ترک کر دیا ہے ورنہ اگر یہی قرار دیا جائے کہ صرف ایک ہی کیا ہے اور اسی میں حضورؐ نے خود کو اور سب کو اپنے فرض دوسروں کے واجب کو شریک کر لیا ہے۔ تو اس میں دو زبردست اشکال پیدا ہوتے ہیں جو واجب کی شرکت کو ناممکن بنا دیتے ہیں۔ کیونکہ جیسے کہ دلائل وجوب ملا کے آخر سوال ۳ میں اور نفس وجوب پر شبہات کے ۲ میں یہ حدیث گزر چکی ہے۔ کہ حضورؐ پر قربانی فرض تھی۔ تو اگر حضور نے دوسرے واجب والوں کو بھی شریک لیا۔ تو خود حضور کی قربانی کیسے ادا ہوگی۔ کیونکہ فرض تو تھی پوری قربانی اور اہل بیت کی شرکت کی وجہ سے حضور کی ادا ہوئی۔ پلے وغیرہ اور اگر ساری امت کی شرکت ہوئی۔ تو بے انتہا چھوٹا حصہ ادا ہوا۔ تو اس شرکت وجوبی سے لازم آتا ہے کہ حضور کا فرض مکمل ادا نہ ہو۔ اس لئے اس کو واجب قرار دینا نعوذ باللہ حضور کو ادائے فرض میں کوتاہی کرنے والا قرار دینا ہے۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ ذَبَحَ اور ضحّٰی کے لفظ یہ بتاتے ہیں کہ خود حضورؐ نے قربانی کی ہے۔ اور بظاہر اپنے ہی مال سے کی ہے۔ تو دوسروں کے واجب کی شرکت کیسے اور اس کی ادائیگی کیونکر ہوئی پھر شرکت والوں کا وکیل بنانا اور اجازت دینا ضروری تھا اہل بیت کی جانب سے ایسا ہوا تو کل اُمت سے ایسا ہونا ممکن تھا کیونکہ کل موجود ہی نہ تھی۔ اور پھر حضورؐ کے پاس۔

چھٹے تاریخ سے یہ بھی معلوم کر لیجئے۔ کہ اہل بیت کے پاس گنجائش بھی تھی یا نہیں۔ کہ ان پر قربانی واجب ہو سکے۔ جبکہ بہت حدیثوں سے یہ معلوم ہے کہ دو وقت شکم سیر ہو کر کھانے کو بھی میسر نہ تھا۔ اور جب ان پر واجب ہی نہ ہوگی تو ان کے لئے دعائے قبول سے صرف ایصال ثواب ہی ہو سکتا ہے۔

ساتویں اوجز المسالک شرح موطا مالک (ج ۴ ص ۲۳۱) میں باجی شارح موطا کا قول لکھا ہے۔ کہ یہ نفل کے لئے واجب کے لئے نہیں ہو سکتی۔ اور دلیل یہ دی ہے کہ قربانی کرنے اور ذبح کرنے کی اسناد شخص واحد کی طرف ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے مال سے کرتا ہے۔ اور سب

کی نیت کرکے سب کو ثواب دیدیتا ہے۔

آٹھویں واجب قربانی کی ادائیگی کی صورت کہ ایک بڑا جانور اونٹ یا گائے سات کی طرف سے ہو جائے، وہاں بھی ایک کا خرید کر بلا اجازت سب کی طرف سے کر دینا کافی نہیں۔ بلکہ سب کی شرکت کی ضرورت ہے۔ امام احمد نے اپنے مسند میں یہ حدیث روایت کی ہے۔ کہ حضرت ابو الاشد سلمی کہتے ہیں کہ میں سات میں کا ساتواں شخص تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے حضور نے حکم دیا اور ہم میں سے ہر ایک نے ایک ایک درھم جمع کیا۔ اور سات درھم میں قربانی خریدی۔ عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے تو اس کو گراں خریدا ہے۔ فرمایا افضل قربانی وہی ہے۔ جو گراں قیمت ہو اور موٹی ہو (اوجز) معلوم ہوا کہ واجب قربانی کی شرکت اس طرح ہوتی ہے جو حضور کے حکم سے حضور کے سامنے ہر ایک کی رقم جمع کرکے ہوئی۔ اس لئے دعا ہیں۔ قبول والی حدیث سے واجب قربانی مراد لینا درست نہیں۔ اسی طرح اور کسی ایسی حدیث سے جہاں ایک بکری مینڈھے، دُنبہ میں کئی کا ذکر ملیگا واجب لینا درست نہ ہوگا۔ وہ نفلی قربانی اور ایصال ثواب کے لئے ہوگا اور نفلی کا ایصال ثواب اس طرح بہت حضرات کو کر دینا جائز ہے۔ سب کا معمول ہے۔ بلکہ حضور کے طریقہ کے موافق ساری اُمت کو کریں تو بہتر ہے دلیل ۱۳ میں بھی اس قسم کا ایک شبہ و جواب گذر چکا ہے۔

قربانی کے بجائے صدقہ

یورپ یا ہندوؤں کے اثرات قبول کر لینے والے لوگ آج کل اس پر بہت زور دے رہے ہیں کہ قربانی کرنے کی جگہ ہر سال یہ قربانی کی رقم صدقہ کر دیجایا کرے اور اپنے اس منشا کے واسطے قرآن و حدیث اور فقہ کی عبارتوں کو استعمال کر رہے ہیں۔ جہاں جہاں سے ان لوگوں کو غلط فہمی ہو سکتی ہے انشاء اللہ اس کی نشاندہی اور حقیقت پیش ہوگی اوّل چند دلائل اس کے پیش کئے جاتے ہیں۔ کہ قربانی کی تبدیلی اور اس کی جگہ صدقہ وخیرات درست نہیں ہو سکتا اگر کوئی ایسا کرے گا۔ تو وہ فرض عملی سے سبکدوش نہیں ہوگا سخت گناہ گار ہوگا اور سزاؤں کا مستحق۔

(۱) قرآن شریف کے لفظ وانحر (ذبح کیجئے) اور ذِبحٍ عظیم اور احادیث کے لفظ اضحیہ (قربانی کیا ہوا جانور) اور احادیث کے اس قسم کے احکام سے کہ ان دنوں میں خون بہانے سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں اور تمام فقہائے عظام کے صاف صاف اعلان سے کہ قربانی ذبح یعنی خون بہانے کا نام ہے اور خون بہانا ہی اس کا رکن ہے اوپر کی دلیلوں میں معلوم ہو چکا ہے۔ کہ یہاں کار واجب صرف خون بہانا ہی جان کا فدیہ جان ہی ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا۔ تو پھر چاہے صدقہ کریں یا روزے رکھیں نمازیں پڑھیں یا حج کریں ہرگز اس واجب یعنی عملی فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتی بلکہ قرآن وحدیث کے الفاظ اور دونوں اولوالعزم نبیوں کے طریق کار کی بے حرمتی اور اگر کل قوم نے ہی چھوڑ دی یا دلوں سے اس کے حکم شرعی ہونے کا عقیدہ ہی نکل گیا جسے شروع میں ثابت کیا گیا ہے تو تمام اسلام ہی ہاتھ سے گیا۔ اور صحیح مسلمانوں کو اُن پر جہاد کرنا فرض ہو گیا۔ قربانی کی اصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں لخت جگر کے ذبح کا اشارہ پایا چونکہ خواب کی تعبیر میں اسی کا بعینہٖ ہونا ضروری نہیں ہوتا آپ نے سو اُونٹ قربان کر دیئے پھر خواب دیکھا یہ تعبیر میں سو اونٹ ذبح فرمائے تیسری بار پھر خواب دیکھا تو معلوم ہوا کہ تعبیر بیٹے کے بعینہٖ ذبح کرنے سے ہے اپنی طرف سے عمل کر لیا مگر اللہ تعالیٰ نے ذبح عظیم سے فدیہ دیا ہے۔ تو جب اتنے بڑے ذیشان پیغمبر کی تجویز بھی قائم مقام نہ ہو سکی تو آج کسی کی کوئی کیسے قائم مقام بن سکتی جو ارشاد فرمودہ کے علاوہ ہو لہٰذا قربانی کے عوض نہ صدقہ صحیح نہ کچھ اور

(۲ الالف) نیل الاوطار (ج ۴ ص ۳۳۹) میں دارقطنی کی یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن عباس کی روایت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن چاندی کسی چیز میں خرچ نہیں کی جا سکتی جو قربانی سے بہتر ہو "(ب) یہ حدیث بھی پہلے گذر چکی ہے کہ ان دنوں میں خون بہانے سے بڑھ کر کوئی اور عمل نہیں (ج) دلائل وجوب میں یہ حدیث آ چکی ہے کہ جس نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کر لی ہو وہ دوبارہ کرے اگر صدقہ کافی ہو سکتا تو اس کا کوئی درجہ تو بتایا جاتا اور دوبارہ کی جگہ صدقہ بھی ہو سکتا۔

(۳) مبسوط سرخسی (ج ۱۲ ص ۱۲) میں حدیث ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حکیم بن حزام کو ایک دینار (اشرفی) عطا فرمایا کہ اس سے قربانی کے لئے بکری خرید لیں، انہوں نے ایک بکری خرید کی پھر اس کو دو دیناروں میں فروخت کر دیا۔ پھر ایک دینار میں ایک اور بکری خریدی اور ایک دینار اور بکری لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب قصہ عرض کیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے معاملہ میں برکت عطا فرمائیں بکری کی تو قربانی کر لو اور دینار کو خیرات کر دو" اس حدیث شریف میں اوّل تو یہ غور کرنے کی بات ہے کہ خود ان کے پاس کچھ نہ تھا حضور نے ان کو دینار خود ان کے استعمال کے لئے نہیں عطا فرمایا قربانی کرنے کے لئے عطا فرمایا اور صدقہ کر دینے کی بھی اجازت نہیں فرمائی معلوم ہوا کہ غریب کے نفل قربانی کرنے کے درجہ کو بھی صدقہ وخیرات نہیں پہنچ سکتا، دوسرے جب وہ ایک دینار اور بکری لے کر آئے تو بکری کو استعمال کی اجازت نہیں دی۔ .... بکری کی قربانی کا الگ حکم عطا فرمایا اور اس دینار کی خیرات کا الگ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اگر قربانی کا جانور کسی وجہ سے بدل لیا گیا تو قربانی الگ واجب ہوگی۔ اور بچی ہوئی رقم کا خیرات کرنا الگ واجب ہوگا۔ اگر صدقہ کافی ہوتا۔ تو الگ قربانی کا حکم ہی نہ ہوتا۔

(۴) نیل الاوطار (ج ۴ ص ۳۳۰) میں مسند امام احمد اور ابن ماجہ سے حضرت ابن عباس رض کی حدیث ہے کہ "ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا۔ کہ مجھ پر بُدنہ (اونٹ یا گائے) واجب ہے۔ اور میں مالدار بھی ہوں۔ مگر وہ مل نہیں رہی ہیں کہ میں خرید سکوں۔ حضور نے ان کو حکم دیا کہ سات بکریاں خریدو اور ان کی قربانی کر دو"۔ اگر صدقہ وخیرات، قربانی کی جگہ کافی ہو سکتا تو اس مجبوری میں کہ ان کو قربانی کا واجب جانور مل نہیں رہا تھا حضور صدقہ کی اجازت عطا فرما دیتے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس کی جگہ سات بکریوں کا حکم ہوا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ مجبوری میں بھی قربانی کی جگہ صدقہ وخیرات درست نہیں۔ اور اس سے واجب ادا نہیں ہو سکتا۔

(۵) حدیثوں میں بکثرت مل رہا ہے کہ قربانی کے لئے فلاں فلاں عیب والے جانور جائز نہیں ہیں۔ ان کی جگہ بے عیب جانور قربان کرنا ضروری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ وخیرات کافی نہیں۔ ورنہ عیب دار جانور کے بدلہ صدقہ کا حکم ہو جاتا۔ پھر قربانی میں جو صحیح جان کا سالانہ فدیہ جان کے بدلہ جان ہے۔ جاندار مگر عیب دار بھی درست نہیں تو غیر جاندار چیز اور صدقہ وخیرات کیسے کافی ہو سکتا ہے۔

(۶) مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے۔ إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ اللَّحْمُ فِيهِ مَكْرُوهٌ وَإِنِّي عَجَّلْتُ نَسِيكَتِي لِأُطْعِمَ أَهْلِي۔ (یہ وہ دن ہے کہ اس میں ترک ذبح و گوشت مکروہ ہے۔ تو میں نے اپنی قربانی اس لئے جلد کر لی کہ گھر والوں کو کھلا سکوں) شرح مسلم (ج ۲ ص ۱۵۴) میں امام نووی نے قاضی عیاض مالکی سے نقل کیا ہے کہ "اللحم کے معنے ہی ترک ذبح و ترک قربانی اور گھر والوں کو بلا گوشت رہنے دینا جبکہ ان کی خواہش بھی ہو مکروہ ہے۔ یہ حضرت ابو بردہ صحابی نے حضور کے سامنے ذکر کیا۔ اور حضور نے اس کو قبول فرما لیا۔ تو معلوم ہوا کہ قربانی والے کا قربانی نہ کرنا گناہ ہے۔ دیر لگانا بھی ناپسند ہے۔ اور صدقہ تو بدرجہ اولیٰ ناکافی ہے۔

(۷) دلائل وجوب کی ۱۷ حدیث میں ہے۔ وطیبوا بھا نفسا" قربانی سے دل خوش رکھا

کرو"۔ بجائے قربانی کے صدقہ خیرات یا کوئی اور کام اس کی مخالفت ہے۔

(۸) قرآن و حدیث اور فقہائے کرام کے تمام لفظوں سے قربانی کا رکن رکین خون بہانا ہے۔ اور خون بہانا تقسیم ہونے والی چیز نہیں ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ نصف خون یا ⅓ یا ⅐ وغیرہ بہا دیا جائے۔ باقی رہ جائے۔ اگر ایسا ہو بھی تو جان کے بدلہ جان اور آیت کے لفظ وفدیناہ سے فدیہ نہیں ہو سکتا۔ اب کم حیثیت لوگوں کے لئے کچھ کی گنجائش کی صورت نہ تھی۔ ان کے لئے تو نقد صدقہ و خیرات بھی ہونا تھا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت نہیں دی بلکہ ایک اونٹ یا گائے وغیرہ میں ساتواں حصہ لینے کی اجازت دی ہے۔ اگر صدقہ و خیرات کافی ہو سکتا تو حضور ایک غیر منقسم کو تقسیم نہ کراتے قابل تقسیم صدقہ و خیرات کی تقسیم کا حکم عطا فرماتے کہ بڑے جانور کی ⅐ قیمت خیرات کردو۔ یا کم سے کم دونوں کی برابر اجازت عطا فرماتے۔

(۹) مشکوٰۃ شریف میں مسلم شریف سے یہ حدیث نقل ہے۔ کہ "قربانی صرف مسنہ کی کرو (اونٹ ۵ سال گائے وغیرہ دو سال بکری وغیرہ ایک سال کی) اگر نہ مل سکیں تو ایک سال سے کم کا مینڈھا ذبح کرلو"۔ مسنہ کے سخت حکم کے نہ ملنے کی مجبوری کے وقت کم از کم سال کے مینڈھے کی تو اجازت مرحمت فرمائی۔ اگر صدقہ و خیرات کافی ہوتا تو اس مجبوری میں اس کی ضرور اجازت ہوتی جبکہ یسر کا خصوصاً منظور تھا۔

(۱۰) ابوداؤد اور ترمذی میں حضرت حنش رح کی روایت ہے کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ آپ نے دو مینڈھے ذبح کئے اور فرمایا ایک میری طرف سے ہے۔ اور ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے میں نے وجہ پوچھی۔ تو فرمایا کہ مجھ کو اس کا حکم دیا تھا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی۔ اس لئے میں اس کو کبھی نہ چھوڑوں گا۔ (جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۰۳) اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے جو وصیت فرمائی ہے۔ تو صدقہ و خیرات کی نہیں۔ قربانی کی فرمائی۔ اگر صدقہ و خیرات قربانی کی جگہ کافی ہوتا تو اس کی وصیت ہوتی۔ کیونکہ قربانی کے لئے جانور اور بلا عیب پھر اس کو رکھنا وقت پر ذبح کرنا متعدد مشقتوں کا سبب تھا۔ اور صدقہ میں ایک مشقت بھی نہ تھی۔ اس کے باوجود قربانی کی وصیت بتاتی ہے۔ کہ صدقہ اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔ دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اور سب عبادتوں سے بھی ان دونوں کی قربانی ہی افضل ہے۔ اس لئے حضور نے اس کی وصیت فرمائی۔

(۱۱) آیت وفدیناہ بذبح عظیم (اور ہم نے اسمٰعیل علیہ السلام کا فدیہ عظیم الشان ذبح سے دیا) وہ عظیم الشان فدیہ قربانی ہوئی ہے اگر صدقہ و خیرات عظیم الشان ہونے میں اس جیسا ہوتا تو وہ فدیہ قرار دیا جاتا یا اس کی بھی اجازت دی جاتی۔ مگر پھر ذبح عظیم الشان نہ رہتا۔ دونوں برابر ہو جاتے۔ آج صدقہ کو برابر قرار دینے والے اس لفظ عظیم کے علم کے خلاف کر رہے ہیں۔ کہ عظیم کو غیر عظیم کی برابر قرار دے رہے ہیں۔

(۱۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دنوں کو ایام اکل وشرب (کھانے پینے کے دن) فرمایا ہے۔ اور ان دنوں کا روزہ حرام فرمایا ہے۔ اگر یہ دن صدقہ و خیرات کے بھی دن ہو سکتے۔ تو جیسے زکوٰۃ و عشر اور نذر و منت کے دنوں کا روزہ حرام نہیں ہے۔ ان کا بھی حرام نہ ہوتا۔

(۱۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں لوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا جسم ڈھکنے کے لئے کپڑا بیماری و علاج اور دوسری ضرورتوں کے لئے پیسے میسر نہ تھے۔ اگر ان ضرورتوں کے لئے قربانی کا ترک کرنا یا کم کرنا اچھا کام ہوتا۔ اور بجائے قربانی کے نقد صدقہ و خیرات بہتر ہوتا تو حضور صدقہ کو فرماتے اور خود سو اونٹ فی اونٹ سات حصّہ سات قربانی تو سات سو تک یک وقت قربانی نہ فرماتے ازواج مطہرات کی طرف اونٹ یا گائے کی قربانی نہ فرماتے۔ کیا آج حضورؐ سے زیادہ کوئی مسلمانوں پر شفقت رکھنے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ کیا اس وقت کی ضرورتوں سے زائد آج ضرورت ثابت ہو سکتی ہے۔

(۱۴) بخاری شریف کی حدیث ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ بن عامر کو بکریاں عطا فرمائیں۔ کہ صحابہ کو قربانی کے لئے تقسیم کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بجائے صدقہ و خیرات کے ان دنوں میں جانور لے کر قربانی کے واسطے دینا ہی بہتر ہے۔ کہ دینے والے کو قربانی کا بے انتہا ثواب جو احادیث میں آیا ہے حاصل ہو جائے۔

(۱۵) دلائل وجوب کے ۱۶ کے تحت بدایۃ المجتہد (ج ۱ ص ۳۹۵) سے گزر چکا ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر و حضر میں کبھی قربانی کو نہیں چھوڑا حالانکہ سفر میں جانور اور عمدہ بے عیب جانور اور ۱۰ تاریخ تک اس کے کھلانے پلانے اور حفاظت کے انتظامات وقت ذبح کی رعایت وغیرہ وغیرہ بہت مشقتیں تھیں۔ بلکہ حضر میں بھی کافی تھیں اور صدقہ میں کوئی مشقت نہ تھی۔ اور تمام صحابہ و تابعین ائمہ مجتہدین اور پورے چودہ سو سال کے مسلمانوں نے کبھی یہ نہیں کیا۔ کہ قربانی ترک کر کے کسی نے کبھی بھی صدقہ و خیرات کو اس کی جگہ دی ہو۔ اگر ایسا جائز ہوتا تو ساری امت میں سے کوئی بزرگ تو کبھی ایسا کرتے یا ایسا کرنے کو کہہ دیتے۔ معلوم ہوا کہ صدقہ وغیرہ کوئی چیز بھی قربانی کا قائمقام نہیں ہے۔

(۱۶) بالکل شروع میں قربانی کے عقیدہ کے بیان میں گزر چکا ہے۔ کہ قربانی شعار اسلام اور خصوصیات دین میں سے ہے۔ لہٰذا اس کو ترک کر کے صدقہ وغیرہ کرنا جرم عظیم ہے۔ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ۔ صدقہ شعائر میں نہیں یہ قربانی کے برابر کیسا ہے۔

(۱۷) یہ بھی وہیں گزر چکا ہے۔ کہ کل قوم کا ترک کرنا اسلام کا انہدام بن آتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو ان سے جہاد کرنا ضروری بن جاتا ہے۔ لہٰذا ایسی تجویزیں مسلمانوں کے اسلام کو ختم کرنے کی تجویزیں ہی کہلا سکتی ہیں۔

(۱۸) عالمگیری (ج ۶ ص ۱۹۷) میں ہے۔ اِنها لا یقوم غیرها مقامها فی الوقت حتی لو تصدق بعین الشاۃ او قیمتها فی الوقت لا یجزیها عن الاضحیۃ (دوسری کوئی شے بھی وقت کے اندر قربانی کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ حتیٰ کہ اگر بکری سالم بعینہٖ یا اس کی قیمت وقت کے اندر صدقہ کر دے۔ تو قربانی کی ادائیگی کے لئے کافی نہیں ہے) وقت کے اندر کی قید اس لئے ہے۔ کہ وقت کے بعد تو قضا واجب ہوتی ہے۔ ادا کی فضیلت نکل جاتی ہے۔ قضا البتہ نقد سے کی جا سکتی ہے۔ جس کی تفصیل آگے آنے والی ہے۔

(۱۹) احادیث شریف سے قربانی کی جس قدر فضیلتیں معلوم ہو رہی ہیں۔ خصوصاً خون کے قطرہ کا زمین پر گرنے سے پہلے مقبول ہونا۔ ہر بال پر نیکی اور تمام گناہوں کا معاف ہونا۔ ان دنوں میں خون بہانا۔ سب اعمال سے افضل ہونا صدقہ و خیرات سے ان سب کا نقصان کرانا ہے۔ ان کا تو تقاضا یہ ہے کہ جن پر واجب نہیں۔ وہ بھی ایسا عظیم ثواب حاصل کرنے کے لئے اور سب لوگ اپنے مورثوں، اعزہ، اقربا، فوت شدہ کے ایصال ثواب کے لئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تمام امت کو ایصال ثواب کیا تھا۔ اس کے بدلہ میں بلکہ اس سے بہت زیادہ حضور کے لئے اور حتی الامکان بہت بہت بزرگان کے ایصال ثواب کے لئے بہت بہت قربانیاں کیا کریں کہ یہ اجر پھر نہ مل سکے گا۔

(۲۰) قربانی تو خود مال و دولت کی افزائش کا ذریعہ ہے۔ تفسیر ابن کثیر (ج ۳ ص ۲۲۲) میں ہے کہ "حضرت ابو حازم قرض لیتے اور قربانی کیا کرتے تھے۔ کسی نے عرض کیا کہ جب آپ پر واجب نہیں گنجائش نہیں تو قرض لے کر کیوں قربانی

کرتے ہیں فرمایا کہ میں سن رہا ہوں۔ کہ حق تعالیٰ اعلان فرما رہے ہیں کہ لکم فیھا خیر" (تمہارے لئے قربانی کے جانوروں میں خیر و برکت ہے) کیا اس خیر و برکت سے محروم ہو جانا اور کوئی دانشمندانہ اقدام ہو سکتا ہے۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اللہ رسول جس کام کی اس قدر اہمیت حکم اور فضیلت اور دین و دنیا کی خیر و برکت فرمائیں۔ اور ہم غلامان غلام اسی کی مخالفت اور اس کو رد کرنے کی کوشش میں لگ جائیں۔

غلط فہمیوں کی بنیاد

یورپ کے اثرات سے مسلمانوں میں ایک سخت مرض بہت عام ہو گیا ہے۔ کہ دین کا کوئی کام اس وقت تک ان کی نظر میں نہیں جچتا جب تک اس میں دنیا کے فائدے نہ ثابت کر دیئے جائیں۔ گویا اس کا کوئی مسئلہ اس وقت تک قابل توجہ ہی نہیں۔ جب تک وہ دنیا کے منافع کا آلہ کار نہ ہو۔ مذہب اور بے دینوں کی طرح اللہ کا حکم اللہ کی خوشنودی رسول کا حکم رسول کی رضا مسلمان کے نزدیک قابل توجہ چیز ہی نہیں۔ جب تک پیسوں یا عزت و دولت یا کسی دنیاوی فائدہ پر مشتمل نہ ہو۔ قابل قبول نہیں لا مذہب لوگوں نے اس نظریہ کی مسلمانوں میں شاعت اس لئے کی ہے کہ اس طرح سہولت سے مسلمانوں میں ——— کو لا مذہب بنا لیا جائے۔ اور ان کو احساس بھی نہ ہو سکے۔

خیال تو کیجئے جب عبادت میں خلوص اور رضائے الٰہی کی طلب نہ رہی دنیاوی فائدہ ہی مطلوب ہو گیا۔ تو وہ عبادت کہاں رہی دنیا کا کام بن گئی۔ اور اس طرح سب دین ختم ہے۔

پھر آج کل کے زمانہ میں پیٹ پیٹ پیٹ کا ایسا وظیفہ چلا ہے۔ کہ ہر مسئلہ کو اسی کی حوالات میں بند کر کے رکھ دیتے ہیں۔ قربانی کا مقصود غریبوں کا پیٹ بھرنا قرار دے لیا۔ اور اس ہوائی بنیاد پر ایک ہوائی قلعہ تعمیر کر لیا اور چونکہ اس زمانہ میں بہت کم لوگ اس قسم کے ہیں کہ جن کو واقعی پیٹ بھرائی کی ضرورت ہو اس لئے قربانی کی ضرورت ان کی نظر میں ہوا ہو گئیں۔ لیکن عرض کرنا یہ ہے کہ یہ بنیاد ہی بالکل غلط ہے۔ یہاں یہ مقصود ہی نہیں ہے۔ گو طبعاً حاصل ہو جائے۔ اس کے لئے بھی چند گزارشات پیش ہیں۔

(۱) قرآن شریف کا لفظ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ (اور ہم نے اسمٰعیل علیہ کا فدیہ عظیم الشان ذبح سے دیا) دلائل وجوب کے ۵ میں تفصیل پھر ملاحظہ کیجئے۔ یہاں خود حق تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ کہ خود ہم نے اس کو فدیہ بنایا ہے۔ یہ جان کا فدیہ یا جان پیش کرنا ہے۔ فضل و کرم نے اپنی مملوک بکری وغیرہ کی جان پیش کرنا فدیہ بنایا ہے۔ ذبح کرنے کو ہی فدیہ بنایا ہے۔ نہ سالم جانور کو نہ اس کے گوشت کو نہ کھال نہ اس کی قیمت کو اس لئے قربانی کا مقصد فقط ذبح کرنا ہے۔ اور کوئی مقصد نہیں جان کے بدلے جان پیش کرنا ہے۔ کوئی عرض تجویز کرنے کا حق ہے۔ نہ کوئی شے انسانی اور پھر نبی اور انبیا جیسی شخصیتوں کی جان کے ہم پلہ کوئی چیز بطور فدیہ تجویز کر سکتا ہے یہ کام صرف حق تعالےٰ کا ہے۔ کہ وہ جس چیز کو چاہے فدیہ بنا دیں اور قبول کرنا تو صرف انہی کا کام ہے انہی کا تجویز فرمایا ہوا فدیہ قبول ہو گا۔ دوسرے کا تجویز کیا ہوا قطعاً مردود ہو گا۔ یہ بھی کرم ہے کہ گوشت کے استعمال کی اجازت دے دی ہے۔ اس لئے تبعاً استعمال کا حق حاصل ہو جاتا ہے مقصود اصلی نہیں۔ نہایت فضل ہے کہ ہم پر قربانی کے لئے ابراہیمی طریقہ مقرر فرمایا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے بنی اسرائیل کا قاعدہ مقرر نہیں کہ قربانی پہاڑ پر رکھ دی جایا کرے۔ آسمانی آگ آئے اور اس کو کھا جائے۔ لیکن وہاں بھی مقصود غریبوں کا پیٹ نہیں ہوتا تھا۔ نہ اس کی صورت بن آتی تھی۔ صرف پیش کش اصلی مقصود تھا۔ وہ اصلی مقصود پیش کش یہاں بھی ہے۔ مگر کرم ہے۔ کہ گوشت وغیرہ کے استعمال کی اجازت ہے۔ اگر اصل مقصود غریبوں کا پیٹ قرار دیا جائے گا۔ تو ابتداءِ دنیا سے آج تک کی قربانیوں کی اصلی وضع کی تبدیل و تحقیر لازم آئے گی۔ دوسری بات یہ کہ ذبح اور اضحیہ کے حدیث و قرآن کے الفاظ اعلان کر رہے ہیں کہ قربانی سے مقصد گوشت پوست نہیں جان دینا ہے۔ ان سب کی خلاف ورزی اور ایک قسم کی تحقیر ہو جائے گی۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس قربانی میں اصل حکم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبح کا تھا۔ حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے دنبہ کو اس کا بدل بنا دیا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ بدل کی غرض بھی وہی ہو سکتی ہے جو اصل کی ہو تو اصل یعنی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی میں گوشت مقصود ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اس لئے بدل میں بھی فقط جان نذر کرنا مقصود ہو گا

(۳) اگر قربانی میں گوشت مقصود ہوتا تو گوشت کا خیرات کر دینا واجب ہوتا اور فکلوا منھا (اس میں کھاؤ) جائز ہی نہ ہوتا۔ کیونکہ قربانی تو حضور میں پیش کش ہے۔ اگر گوشت کی پیش کش ہوتی تو واپس لے کر کھا جاتا کیسی پیش کش تھی۔

(۴) قربانی کا مفہوم تو اپنی ملک سے نکال کر پیش کش کر دینا ہے قربانی کا گوشت کھانا جائز دینا لینا جائز۔ کھال سینگ اور دوسرے اجزا کا استعمال جائز ان سب پر ملک برابر قائم حتیٰ کہ صدقہ کی غرض سے فروخت بھی جائز۔ تو یہ ملک سے نکل کر پیش کش کہاں بنے۔ ملک سے جو چیز نکل چکی ہے وہ جان بواسطہ خون ہے۔ وہی پیش کش ہے۔ وہی قربانی ہے۔ وہی قربانی کا اصل مقصد ہے۔ گوشت کو اور پھر غربا پر تقسیم کو اصل مقصود قرار دینا کس قدر کم عقلی کی بات ہے۔

(۵) قربانی ہر جانور کی جائز نہیں۔ حالانکہ پرندوں اور خصوصاً مرغ کا اور مچھلی کا گوشت زیادہ مزیدار ہوتا ہے۔ اور غریبوں کو میسر بھی کم آتا ہے۔ اگر مقصود گوشت ہوتا تو ان کی قربانی بھی درست ہوتی۔ ایک شخص کی قربانی میں ہر قسم کے جانور کا ایک نصاب ہوتا۔ مثلاً سو کبوتر پچاس مرغ بط وغیرہ بیس سیر مچھلی ان چیزوں کا قربانی میں جائز نہ ہونا صاف بات ہے۔ کہ گوشت مقصود نہیں۔ نہ ان میں اور قربانی کے جائز جانوروں میں کرنے والے کو اختیار دیا گیا۔ تو یہ قائم مقام بھی نہیں بن سکتے۔

(۶) اگر مقصود غریبوں کا پیٹ بھرنا ہی ہوتا تو اصل پیٹ بھرنے والی چیز تو غلہ ہے۔ گندم چنا جو چاول وغیرہ کا پیش کرنا ہوتا یا کم سے کم جانوروں اور غلہ میں اختیار ہوتا۔

(۷) اگر مقصود پیٹ ہوتا تو گوشت تو ساتھ میں لایا جاتا ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ روٹی۔ چاول وغیرہ بھی ہوتا جو غریبوں کے لئے دو وجہ سے ضروری تھا۔ ایک، تو یہ کہ گوشت تو خشکی اور تری کے شکاروں سے مفت حاصل کر لینا ان کو آسان تھا۔ اس پر کبھی نہ کبھی کامیابی حاصل بھی ہو سکتی تھی مگر غلہ پر مفت کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ دوسرے یہ کہ شکم سیری کے لئے صرف گوشت اتنا ضروری نہیں جتنا غلہ ضروری ہے یا کم سے کم دونوں باتوں کا برابر حق ہوتا تا کہ کسی کی قربانی گوشت دیتی کسی کی غلہ۔ اور پھر بہت سے غریب پکانے سے بھی عاجز ہیں۔ نہ ان کے پاس مصالحہ جات نہ برتن نہ گھی نہ آگ پھونس یا بہت سے پکانا ہی نہیں جانتے۔ اگر مقصود پیٹ بھرنا تھا تو کھانا پکا کر اس کی قربانی دلائی جاتی۔

(۸) قربانی کے بھی جو جانور ہیں۔ ان میں بھی کچھ شرطیں حضور نے فرمائی ہیں۔ اور بہت سے عیبوں سے پاک ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ اگر گوشت ہی دلانا مقصود ہوتا تو جن عیبوں کا کوئی اثر گوشت پر نہیں پڑتا مثلاً اندھا ہونا۔ کانا ہونا۔ لنگڑا ہونا۔ سینگ جڑ سے ٹوٹ جانا بے دم یا ⅓ سے زائد دم کٹی یا کان کٹا ہونا وغیرہ وغیرہ تو ان سے پاک قرار دینا ضروری نہ

ہوتا ان عیوب سے خالی ہونے کی شرط خود بتاتی ہے کہ مقصود گوشت نہیں ہے۔ جان مقصود ہے۔ مگر عمدہ و بےعیب کی جان مقصود ہے۔ جو انسانی صحیح واشرف المخلوقات جان کا فدیہ بن سکے۔

(۹) بلکہ یہاں تو گوشت کا مقصود ہونا خود قربانی کو ضائع کر دیتا ہے۔ فقہائے کرام نے تصریح کی ہے۔ کہ اگر ۱/۷ حصہ والے کی نیت بھی صرف گوشت کی ہوگی جیسے دعوت وغیرہ کے لئے ہوتی ہے۔ اور باقی سب شریکوں کی نیت قربانی وغیرہ کار ثواب ہی کی ہو تو بھی سب کا ثواب غارت ہوا۔ اور قربانی ادا نہ ہوئی۔ اس کے برخلاف اگر سب کی نیت خدا کے لئے ذبح کرنے کے بعد گوشت کھال سب کھتے میں ڈال کر دیا دینے کی ہو تو بھی سب کی قربانی بالکل صحیح اور ان کو تمام وہ اجر و ثواب حاصل ہوں گے جن کے وعدے حدیث و قرآن میں آئے ہیں۔

(۱۰) دلائل وجوب میں کئی حدیثیں گزر چکی ہیں کہ جس نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کر لی ہو وہ دوبارہ کرے۔" تو اصل مقصود اگر قربانی سے گوشت ہوتا تو وہ تو پہلی میں ہی حاصل ہو چکا تھا دوبارہ نہ ہوتی غریبوں کو کھلانے کے لئے وہ کافی ہو چکا تھا۔ دوبارہ کے حکم فرمانے سے معلوم ہوا کہ گوشت مقصود نہیں بلکہ صحیح جان کا صحیح فدیہ صحیح طریق پر جان قربان کر دینے میں ہے اس لئے یورپی نظریات سے متاثر ہو کر قربانی کا اصل مقصود گوشت سے غریبوں کی امداد و اعانت قرار دینا بے اصل ہی نہیں۔ بڑی خطرناک بات بھی ہے جیسے اوپر عرض کیا گیا ہے۔ یہ تو دین کو دنیا بنانے اور خدا کے بجائے دنیا کو معبود قرار دینے کی لائن ہو گئی مسلمان کی شان سے یہ بالکل بعید ہے۔ مسلمان کی تو جان مال عزت آبرو سب خدا و رسول کے ایک ایک اشارہ پر قربان ہوا کرتے ہیں۔ افسوس ہم اپنی لائن چھوڑ کر کس لائن پر لگ گئے۔

تبدیلی

اب دیکھنا یہ ہے کہ وقتی ضرورتوں کی وجہ سے یا کسی وہم یا مادہ پرستی یا اسباب ظاہری پر نظر رکھنے کی وجہ سے اس میں یا کسی حکم الٰہی میں کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے۔ یا نہیں کسی بندہ کو اس کا حق ہے۔ یا نہیں اس کے لئے بھی چند معروضات پیش ہیں۔

(۱) آیت لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللهِ (اللہ کے احکام کو کوئی بدل دینے والا نہیں) اور اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا ہے) صاف بتا رہی ہیں کہ تکمیل دین کے بعد ایسی گنجائشیں نکالنا دین کی تکمیل کا انکار کرنا ہے۔ اور کسی کو اس کا حق نہیں پہنچ سکتا۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (حکم صرف خدا کا ہے)

(۲) یہ تسلیم کہ صدقہ و خیرات بھی کار ثواب اور ایک عبادت ہے۔ لیکن عبادتیں تین قسم کی ہیں بدنی عبادت جیسے عقائد نماز، روزہ، تلاوت، اخلاق حسنہ اور مالی عبادت جیسے زکوٰۃ، عشر، صدقہ فطر، نذر، قربانی اور نفلی صدقہ و خیرات اور بدنی و مالی دونوں عبادتوں کا مجموعہ۔ تو شریعت مطہرہ کا قاعدہ بھی ہے۔ کہ جو عبادت جس طرح مقرر فرما دی گئی ہے۔ اس کی جگہ دوسری کر لینے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ عقائد کی جگہ صرف عملی عبادات نماز کی بجائے روزہ یا صدقہ، قربانی یا حج یا تلاوت یا ذکر اور روزے کی جگہ نماز قربانی حج صدقہ ذکر و تلاوت اور زکوٰۃ کی جگہ قربانی وغیرہ وغیرہ کوئی درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کسی کو تبدیلی کا حق ہی نہیں۔ اسی طرح قربانی کی جگہ صدقہ و خیرات یا روزہ نماز۔ ذکر و تلاوت اور حج بھی کافی نہیں ہو سکتا۔ ہر عبادت اپنے اپنے طور طریقے سے اپنے وقت پر فرض و واجب ہے۔ تو جس طرح نماز روزہ حج ذکر تلاوت کے بجائے صدقہ و خیرات کو قائم مقام بنانا بلکہ جس طرح ایمان اور عقائد حقہ کی جگہ کوئی صدقہ و خیرات کو بدل قرار دے تو یہ شرعی احکام کی تحریف اور کلمات الٰہیہ کی تبدیلی کا سنگین جرم ہوگا۔ اسی طرح قربانی کی جگہ صدقہ و خیرات کی اسکیم کو سمجھ لیجئے۔ کہ کیا سے کیا بن جاتی ہے۔

(۳) اللہ رسول سے بے تعلقی اور دین کے ہر شعبہ سے جو آج بے پروائی، غفلت یا نفرت سی ہو رہی۔ یہ خطرناک اسکیم یہ معنے رکھتی ہے کہ نماز روزہ حج زکوٰۃ تلاوت ذکر و ظائف بلکہ عقائد حقہ تک یہ دروازہ کھولا جا رہا ہے۔ کہ چند پیسے کسی غریب کو دے دیئے اور نجات حاصل کر لی۔ اگر اسی طرح سستی نجات چند پیسوں میں ملا کرے گی۔ تو اسلام تمام کا تمام ان پیسوں میں لُٹ کر رہ جائیگا۔ ایسی تجویز پیش کرنے والوں پر تا قیامت کیسا وبال رہے گا۔ اس کا اندازہ بھی ہر ہوشمند دماغ کو آسان ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ کہ جو شخص کوئی برا طریقہ رواج دے گا۔ اس پر اس کا گناہ ہوگا اور قیامت تک جو جو اس پر عمل کریں گے۔ ان کے گناہ کی برابر بھی اس کو گناہ ہوگا۔

۴۔ اللہ تعالٰی نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اور ان رسول کے ذریعہ جن کو تا قیامت رہنے والے معجزے (قرآن کی ۶۶۶۶ آیات کہ ہر ایک مستقل معجزہ ہے) دے کر تا قیامت رہنے والا وہ دین عطا فرما کر بھیجا ہے۔ جو تمام ادیان عالم میں میزان کل ہے۔ اس کی ہر ہر لڑی بڑی بڑی حکمتوں اور عجیب و غریب مصلحتوں سے بنائی گئی۔ اگر ہم اس کے کسی جز کو کسی دوسرے جز سے تبدیل کرنے کا مجرمانہ قدم اٹھائیں گے تو یہ اس کا الزام ہوگا۔ کہ خلاق عالم نے یہ حکم کسی حکمت و مصلحت سے دیا نہ اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دانائی کے ساتھ یا دیانتداری کے ساتھ پہنچایا۔ اس کا نتیجہ اور اس کا وبال کیا ہے۔ سب جانتے سمجھتے ہیں ذرا سا غور کرنے کی دیر ہے۔

(۵) آیت کے لفظ وَفَدَيْنَاهُ کے لفظ پر غور کر لیا ہو یا دلائل وجوب کے ۵ کا پھر ملاحظہ ہو جائے تو معلوم ہوگا کہ قربانی سالانہ زندگی کا ایک فدیہ ہے جس قدر امتحانات کلفتیں، مشقتیں، بیماریاں، پریشانیاں آنے والی ہوتی ہیں ان سب سے یا بہت کچھ سے بچاؤ ہے۔ لیکن انسانی جان جو اشرف المخلوقات ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (اور بے شک ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے) پھر وہ انسانی جان جس میں بڑے بڑے اولوالعزم انبیاء علیہم السلام اور سردار دو جہاں حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں ان کا فدیہ ایک مینڈھا۔ بکرا، دنبہ یا ۱/۷ اونٹ یا گائے کیسے ہے حق تعالٰی نے بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ فرما کر بتا دیا کہ تم ان ظاہری آنکھوں سے اس ذبح کو معمولی ذبح سمجھتے ہو ہم نے انوار و برکات خیر و خوبی کے انبار سے اس کو نواز کر عظیم الشان بنایا ہے۔ اور چونکہ فدیہ بنانے کو اپنی ہی طرف منسوب فرمایا ہے۔ یہ دلیل ہے اس کے مقبول ہونے کی اب اگر کوئی بندہ عاجز مخلوق اپنی طرف سے اس عظیم الشان جان کا فدیہ چند پیسے تجویز کرے گا تو خود سوچ لیجئے۔ کہ وہ فدیہ کیسے بن سکتا ہے۔ کیا کوئی دل گردہ والا ہے۔ کہ اپنی جان یا کم سے کم ایک سال کی زندگی اتنے پیسوں میں دے دے گا۔ اور اگر کوئی بیوقوف تیار بھی ہو سکے۔ تو یہ تو فرمائیے کہ وہ پیسے اس عظیم الشان کے فدیہ میں مقبول ہوں گے یا مردود۔

(۶) اگر آپ ذرا اور گہرے غور سے کام لیں تو اس تجویز کے معنے یہ ہوئے کہ حق تعالٰی نے جو یکسالہ زندگی کا فدیہ تجویز کیا ہے۔ اور اس کو قبول کا اعزاز بخشا ہے۔ العیاذ باللہ العیاذ باللہ یہ دونوں غلطیاں ہیں۔ ہم اس کی اصلاح کر رہے ہیں۔ اس عظیم الشان انسانی جان جس میں اولیاء و اقطاب کی جانیں بھی داخل ہیں۔ ہم اس کا فدیہ چند پیسے تجویز کر رہے ہیں۔ یہ گستاخی اور کفر یہ بے ادبی ہم نہیں کہہ سکتے کہ کسی مسلمان کے ضمیر میں آ سکتی ہے۔ مگر ہاں غفلت بے پروائی اور سہل انگاری سے ایسی صورت بن آئی ہے۔ جو ذرا سا غور کرنے اس قدر خطرناک معلوم ہو سکتی ہے۔ اب صحیح غور کر لینے کے بعد اس کا پس منظر دیکھ لیجئے۔

(۷) اگر ایسی تبدیلی کی تجویز پوری قوم کی قوم نے اپنا لی۔ تو واجب یعنی فرض عملی کے ترک کا جو گناہ عظیم فی کس ہوگا۔ وہ ہمیشہ ایسی تجویز کرنے والوں کے نامہ اعمال میں بھی درج ہوگا۔ اور جیسے کہ قربانی کا عقیدہ عنوان کے تحت میں شروع میں ثابت کیا جا چکا ہے۔ پوری قوم اسلام سے برطرف ہو جائے گی۔ اور سچے مسلمانوں کے ذمہ ضروری ہو جائیگا کہ کافروں کی طرح بلکہ ان سے بھی مقدم ان پر لشکر کشی کر کے جہاد کریں۔ خواہ کوئی کرے یا نہ کرے۔ مگر ہماری حالت اس درجہ میں آجائے گی۔ اور یہ سب کچھ آج کی ان تبدیلی کی تجویزوں سے ہوگا۔ اس عظیم الشان ہیبتناک جرم کے اصلی مجرم کون لوگ ہونگے آپ سوچ لیجئے۔

کیا فقہائے احناف نے قربانی کے بدلہ صدقہ کی اجازت دی ہے

بعض لوگ ہدایہ (ج ۴ ص ۴۳۳) کی عبارت یوں نقل کر کے کہ التضحیۃ فیھا (ایام النحر) افضل من التصدق بثمن الاضحیۃ (ایام قربانی میں قربانی کرنے، قربانی کی قیمت کے صدقہ کرنے سے افضل ہے) یہ دلیل بنا لیتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ فقہائے احناف کے نزدیک قربانی صرف افضل اور قیمت دے دینا بھی جائز ہے۔

دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ فقہ حنفی کی سب کتابوں میں یہ موجود ہے کہ "ان مبارک دنوں کے بعد ان جانوروں کی قیمت ادا کرنا لازم ہے۔" اس سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ قیمت دے دینا قربانی کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔

مگر تعجب اور افسوس کا مقام ہے۔ کہ عبارت پوری نہیں دی جاتی۔ اگر پوری عبارت ہوتی تو ہر دیکھنے والا ذرا سے غور سے اصل مفہوم معلوم کر سکتا تھا۔ پوری عبارت اس طرح ہے کہ اس کے بعد یہ ہے لانھا تقع واجبۃ او سنۃ والتطوع تصدق محض فتفضل علیہ (اس لئے کہ قربانی تو واجب یا سنت ادا ہوگی اور صدقہ محض نفل ہوگا۔ تو قربانی صدقہ سے زیادہ فضیلت والی ہوگی) یہ الفاظ خود بتا رہے ہیں کہ ترک قربانی سے تو ترک واجب یا ترک سنت ہوگا گناہ ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ فضیلت دو طرح کی ہوتی ہے۔ فضیلت شخصی کہ دونوں کام ایک نوع کے ہوں فرض فرض ہوں یا واجب واجب یا نفل نفل اور پھر ایک دوسرے سے افضل ہو جیسے نماز ادا و قضا کہ دونوں فرض ہی فرض ہیں۔ مگر ادا قضا سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ یہ فضیلت شخصی ہے۔ دوسری قسم فضیلت نوعی کہ ایک کی نوع فرض ہو یا واجب اور دوسرے کی نوع نفل جیسے رمضان کے روزہ کو شعبان کے روزہ سے فضیلت حاصل ہے۔ مگر اس طرح کہ رمضان کا روزہ فرض ہے اور شعبان کا نفل یہ فضیلت نوعی ہے۔ مصنف ہدایہ بتا رہے ہیں کہ یہاں جو ہم نے کہا ہے کہ قربانی صدقہ سے افضل ہے۔ تو یہاں مالدار کے لئے فضیلت شخصی نہیں ہے۔ بلکہ فضیلت نوعی ہے۔ کہ قربانی واجب ہے یا بعض کے نزدیک سنت اور صدقہ محض نفل ہے۔ تو جس طرح رمضان کا روزہ ترک کرنے سے ترک فرض کا گناہ ہوگا۔ گو شعبان یا شوال وغیرہ کا رکھ لینے سے نفل کا ثواب مل جائے اسی طرح قربانی ترک کرنے سے ترک واجب یا دوسرے مذہب پر ترک سنت کا گناہ ہوگا گو صدقہ کا نفلی ثواب مل جائے۔ فضیلت نوعی میں ایک نوع کا ہر ہر فرد دوسری نوع کے ہر فرد سے اپنی نوعی فضیلت میں زیادہ ہوتا۔ اس لئے یہاں یہ اعلان ہے کہ قربانی واجب ہے۔ اور واجب کا ہر ہر فرد نفل کے ہر فرد سے فضیلت میں زیادہ ہے۔ اور وہ فضیلت واجب ہونے کی ہے۔ لہٰذا ترک واجب کا گناہ ہوگا۔ جو عملی فرض کے ترک کا گناہ ہے۔ اس لئے یہ عبارت تو ترک قربانی میں ترک واجب کا گناہ بتا رہی ہے۔ گو صدقہ سے نفل صدقہ کا ثواب ملے گا۔ مگر اس گناہ کی تلافی اس سے ممکن نہ ہوگی۔

اگر اس عبارت سے ادا آگے کی عبارت بھی دیکھ لی جائے۔ تو وہاں غریب کے لئے دوسری قسم کی فضیلت کی ایک صورت بھی مل جائے گی۔

ولانھا تفوت بفوات وقتھا والصدقۃ یوتی بھا فی الاوقات کلھا فنزلت منزلۃ الطواف والصلوۃ فی حق الآفاقی (اور اس لئے کہ قربانی تو وقت نکل جانے سے فوت ہو جاتی ہے۔ اور صدقہ ہر وقت کیا جا سکتا ہے۔ تو یہ اسی طرح ہو گئے۔ جیسے مکہ شریف سے باہر کے رہنے والے کے واسطے طواف اور نماز) جس کا حاصل یہ ہے۔ کہ پہلی فضیلت جو فضیلت نوعی تھی۔ وہ مالدار کے حق میں تھی۔ کہ اس پر قربانی واجب اور صدقہ نفل تھا۔ اور اگر کوئی غریب ہے تو اس کے لئے بھی قربانی میں صدقہ سے فضیلت ہے اور وہ فضیلت دوسری قسم کی یعنی شخصی فضیلت ہے۔ کیونکہ اس کے لئے قربانی بھی نفل ہے۔ اور صدقہ بھی نفل مگر قربانی کا وقت مقرر ہے۔ اس تحدید وقت کی وجہ سے وہ صدقہ سے فضیلت رکھتی ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے باہر کے رہنے والوں کے لئے طواف (بعد فرائض حج و عمرہ) نفل ہے اور نماز نفل بھی نفل مگر طواف کا وقت محدود ہے کہ پھر وہ جب واپس چلا جائے گا طواف نہ کر سکے گا۔ اور نفل نماز ہر وقت پڑھ سکتا ہے۔ تو تحدید وقت کی وجہ سے طواف اس کے لئے نفل نمازوں سے فضیلت رکھتا ہے۔

تو قربانی کے صدقہ سے افضل ہونے کی امیر و غریب دونوں کے لئے الگ الگ قسم کی فضیلت بیان کی ہے امیر کے لئے تو فضیلت نوعی کیونکہ اس پر قربانی واجب تھی تو واجب کی نوع نفل صدقہ کے نوع سے ہی افضل ہے اور بیان ترک سے ترک واجب کا گناہ ہوگا اور غریب کے لئے یہی قربانی صدقہ سے افضل ہے مگر فضیلت شخصی ہے نوع ایک ہے قربانی بھی نفل مگر پھر بھی قربانی وقت معین کی فضیلت کی وجہ سے صدقہ سے افضل ہے گو ترک میں اس کو گناہ تو نہ ہوگا۔ مگر فضیلت سے محرومی ہوگی جیسے مکہ شریف سے باہر والے کے لئے نفل طواف اور نفل نماز دونوں نفل ہیں مگر فضیلت وقت کی وجہ سے اس کے لئے طواف نفل نماز سے افضل ہے گو ترک سے گناہ نہ ہوگا مگر فضیلت سے محرومی ہے۔ اب آپ خود دیکھ لیجئے کہ ہدایہ کی عبارت قربانی کو صدقہ سے بدلنے کی اجازت کہاں دے دی ہے وہ تو صاف اعلان کر رہی ہے کہ امیر کو ترک قربانی میں بعد ازاں صدقہ بھی ترک واجب کا گناہ ہوگا۔ اور غریب کو ترک قربانی میں بعد ادائے صدقہ بھی ترک فضیلت کی محرومی ہوگی

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہدایہ کی عبارت صرف اس قدر ہوتی جس قدر یہ لوگ پیش کر دیتے ہیں اور آگے اس افضل ہونے کی تشریح فضیلت نوعی و شخصی امیر و غریب کے لئے نہ ہوتی امیر کے لئے ترک واجب کا گناہ ظاہر نہ کیا جاتا جب بھی لفظ افضل سے یہ مراد ہونا ضروری نہ تھا کہ دونوں جائز اور قربانی افضل ہے جیسے آیت وبعولتھن احق بردھن (اور ان کے شوہر ان کی واپسی کے زیادہ حقدار ہیں) میں یہ مطلب نہیں کہ دوسرا بھی حقدار ہے اسی طرح یہاں بھی یہ مطلب نہ ہوگا کہ صدقہ بھی فضیلت رکھتا ہے۔ یعنی یہ اسم تفضیل ہی نہیں صیغہ صفت مشبہ ہے جو افضل کے وزن پر آیا ہے جیسے آیت میں آیا ہے۔ نہ یہ اسم تفضیل نہ مفضل و مفضل علیہ نہ نفس فعل میں شرکت،

تیسری بات یہ بھی دیکھنے کی ہے۔ کہ جب صاحب ہدایہ خود پہلے یہ کہہ چکے ہیں کہ الاضحیۃ واجبۃ علی کل حر مسلم (قربانی ہر مسلمان آزاد پر واجب ہے) تو اب ان کی عبارت سے ایسا مطلب کیسے لے سکتے ہیں جس سے خود ان کے اس دعوے کے خلاف لازم آجائے کیونکہ اگر یہ مطلب ہو سکتا ہو کہ قربانی افضل مگر صدقہ بھی جائز ہے تو صدقہ کے وقت ترک قربانی ہوا یہ جائز ہوا اور جس کا ترک کرنا جائز ہو وہ واجب نہیں رہتا تو اس کے اس دعویٰ

کے خلاف قربانی کا واجب ہونا ثابت ہو گا۔

کسی مصنف کے کلام سے ایسے معنے بنا لینا کہ خود اس کے صاف و صریح مدعا کے خلاف، آگے کے لفظوں کے اور خود اس کے مذہب و مسلک کے خلاف ہوں۔ ایک اچھی خاصی تہمت تراشی معلوم ہوتی ہے۔

چوتھی بات یہ بھی یاد رکھئے کہ تمام فقہائے احناف احناف ہی تو ہیں ان کا مذہب حنفی مذہب ہی تو ہے وہ اپنے مذہب کے خلاف کیسے کہتے اور ان کی عبارت کا مطلب ان کے مذہب کے خلاف کیسے صحیح ہو سکتا ہے وہ آج کل یورپ زدہ لوگ نہ تھے کہ ظاہرین مذہب کچھ اور کہہ دیں کچھ کا کچھ ان کو اس قدر غیر ذمہ دار سمجھ لینا سمجھ کی غلطی ہے۔

پانچویں بات یہ کہ صاحب ہدایہ نے یہ کتاب ہدایہ کسی اور مضمون پر نہیں لکھی فقہ حنفی پر لکھی ہے۔ اور اس میں یہ مسائل تبعاً اور ضمناً نہیں آئے کہ اس میں کسی سہو وغفلت کا وہم ہو سکے اس میں مذہب کے خلاف مضمون ایک تہمت ہی بن سکتا ہے

چھٹی بات یہ ہے کہ ہدایہ فقہ حنفی کی مایہ ناز کتاب ہے مسائل فقہ میں بہت حجت ہے اور آج کی لکھی ہوئی نہیں صدیاں گذر چکی ہیں اور پھر اس وقت سے تمام دینی علوم کے درس میں داخل ہے ہر سال ہزاروں لاکھوں علما کی نظر سے گذرتی رہتی ہے اگر واقعی ان سے اپنے مذہب کے خلاف یہ لغزش ہو گئی ہوتی تو ساری امت کے علماء خصوصاً دوسرے مسلک کے علما اس کو بخشنے والے نہ تھے آج نہ معلوم کتنی بحثیں اس کے ایک ایک لفظ پر ہو چکی ہوتیں ر ساری امت جس کو دوسرے مفہوم پر سمجھتی رہی آج اس کا یہ مفہوم بنانا کسی خاص منشا کی غمازی کر رہا ہے یا یہ کہ عربی عبارت کے سمجھنے سے کچھ زیادہ مناسبت نہیں ہے۔

ساتویں بات یہ بھی دیکھنے کی ہے کہ ہدایہ تو ایک مختصر کتاب ہے فقہ حنفی کی اور بھی تو بڑی بڑی کتابیں موجود ہیں تو کیا کسی کتاب میں ایسی عبارت نہیں ملتی جو اس کی تشریح کر دے مبسوط سرخسی ج ۱۲ صـ۱۳ میں ہے "یہ اس لئے ہے کہ واجب تو خون بہا کر اللہ تعالےٰ کا تقرب حاصل کرنا ہے۔ اور یہ بات صدقہ کر دینے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ مالدار کہ جس پر قربانی واجب ہے۔ اس کے حق میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہو سکتا۔ کہ قیمت کا صدقہ کرنا کافی ہو کیونکہ خون بہانے کی قیمت ہی نہیں ہو سکتی، اور قیمت یا کوئی قیمتی چیز کو کسی ایسی عبادت کے قائم مقام بنانا جس کی کوئی قیمت ہو ہی نہ سکے۔ ہرگز جائز نہیں۔ اور پھر خون بہانا تو خالص حق اللہ ہے۔ خالص حق اللہ میں وجہیں اور علتیں نکالنے کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ ہم نے اس میں زکوٰۃ و فطرہ اور قربانی کے درمیان کے فرق کا بھی اشارہ کر دیا ہے۔ اور غیر مالدار کے حق میں قربانی اس لئے افضل ہے کہ اس نے دو عبادتیں جمع کی ہیں، ایک خون بہانا دوسرا صدقہ، گوشت، صدقہ کا تو ہر زمانہ میں اختیار ہے اور خون بہانے کا ثواب فقط انہی دنوں میں ہے۔"

علامہ سرخسی نے بتا دیا ہے کہ زکوٰۃ وصدقہ فطر بھی گو مالی عبادتیں ہیں۔ مگر اول تو ان کا مقصود ایسی بات نہیں ہے۔ کہ اس کی قیمت اور بدل نہ ہو سکے۔ وہاں مال کو محتاج تک پہنچانا ہے۔ مال قیمتی چیز ہے۔ اس کی قیمت اس کا کام دے سکتی ہے۔ غلہ کی جگہ پیسے اس کا کام دے دیں گے۔ اور اس کا بدل اور بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اسی قیمت کے بقدر کا کوئی اور مال دے دیا جائے۔ اور واجب قربانی کا مقصود صرف خون بہانا ہے۔ اس کی کوئی قیمت اور بدل ممکن ہی نہیں۔ اس لئے اس کے عوض صدقہ دینا قطعاً درست نہیں ہو سکتا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ زکوٰۃ وفطرہ میں محتاج کی حاجت روائی بھی مقصود ہے۔ اور ثواب بھی اور قربانی میں صرف ثواب ہی مقصود ہے۔ قربانی خالص حق اللہ ہے اور زکوٰۃ وفطرہ میں حق اللہ ہونے کے ساتھ مخلوق سے بھی تعلق ہے۔ اس مخلوق سے تعلق میں حاجت روائی . . . .

کی ایسی بات ہے جو اسکی علت قرار پا سکتی ہے۔ اور جہاں یہ علت پائی جائے وہاں ادائیگی زکوٰۃ وفطرہ کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ قیمت اور بدل میں حاجت روائی موجود ہے۔ لہٰذا وہاں ادائیگی کا حکم لگایا جا سکتا ہے بخلاف قربانی کے کہ وہ محض حق اللہ ہے۔ وہاں کسی مخلوق سے تعلق اور اسکی علت حاجت روائی وغیرہ نہیں نکل سکتی۔ نہ اس علت کے دوسری جگہ پائے جانے پر ادائیگی کا حکم ہو سکتا ہے لہٰذا قربانی صدقہ وخیرات دینے سے ادا نہیں ہو سکتی اور غیر مالدار نے اللہ کے واجب کئے بغیر خود اپنے ذمہ دو عبادتیں کر لی ہیں۔ اگر قربانی کریگا۔ تو دونوں ادا ہونگی۔ خون بہانا بھی صدقہ بھی۔ اگر نہیں کرے گا تو ایک کا وقت نکل گیا۔ وہ فوت ہو گئی۔ دوسری ہی دوسری یعنی صدقہ باقی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دو عبادتیں ایک سے افضل ہیں۔ اس لئے اس کے لئے قربانی صدقہ سے افضل ہے۔ اور "قربانی کی جگہ صدقہ"۔ عنوان کے صـ۱۸ میں عالمگیری سے بھی یہ جزئیہ نقل کیا جا چکا ہے۔ جس میں صاف بتا دیا گیا ہے۔ کہ قربانی کی قیمت دینے سے قربانی کا گناہ ساقط نہیں ہو سکتا۔ اس کو دوبارہ ملاحظہ کر لیا جاوے معلوم نہیں کیوں اس قدر دیدہ دلیری سے ایسی کھلی تہمت ان بزرگان دین پر لگائی جا رہی ہے

دوسری دلیل میں اتنی کوتاہی چھوڑ دی گئی ہے۔ کہ یہ نہیں بتایا کہ ان مبارک ایام کو قصداً گذار دینا جرم ہے۔ یا نہیں اور پھر جب قیمت دی جائے گی تو وہ قضا ہو گی یا ادا ہو گی۔ اگر فقہائے کرام کے کلام سے ہی قصداً گذار دینا جرم اور بعد ایام قیمت دینا بجائے ادا کے قضا ہونا ثابت ہو تو مجبوری یہی سب عبادتوں میں ہوتا ہے تو فرمائیے یہ دلیل کیسی بن گئی۔ ہدایہ کے الفاظ یہ ہیں فاذا فات الوقت وجب علیہ التصدق اخراجا لہ عن العھدۃ کالجمعۃ تقضی بعد فواتھا ظہرا والصوم بعد العجز فدیۃ جب قربانی کا وقت نکل جائے گا۔ تو اس پر صدقہ کر دینا واجب کی ذمہ داری سے بری کرنے کے لئے ایسے واجب ہو گا۔ جیسے جمعہ کے فوت ہونے کے بعد اسکی قضا ظہر اور عاجز ہونے کے بعد روزہ کی قضا فدیہ) لیکن اس عبادت کی دو باتیں تحقیق طلب ہیں کہ قضا میں جو صدقہ واجب ہو گا۔ وہ کس چیز کا صدقہ ہو گا۔ دوسرے یہ کہ روزہ کی قضا میں فدیہ کی مثال کیوں دی گئی ہے۔ قضا روزہ کی کیوں نہیں دیگئی فتح القدیر کے تکملہ میں عنایہ سے نقل ہے کہ جب خون بہانے کا وقت نکل گیا اور اللہ کا حق باقی رہ گیا۔ تو اس ذمہ داری سے سبکدوشی سے جانور کا (اگر موجود ہو) یا قیمت کا صدقہ کرنا ایسے ہی واجب ہو گا۔ جیسے جمعہ کی قضا بعد فوت وقت کے ظہر یا روزہ کا فدیہ اور دونوں میں مشترک بات یہ ہے کہ دونوں ادا کی جنس کے خلاف جنس سے قضا ہے (ج ۸ صـ۴۳۳) یعنی جیسے ظہر جنس جمعہ نہیں فدیہ جنس روزہ نہیں۔ ایسے ہی یہاں قربانی کی قضا ہے کہ باقی رہا ہوا جانور یا صدقہ خون بہانے کی جنس سے نہیں ہے۔

ردالمحتار میں متن کے قول ولو ترکت التضحیۃ ومضت ایامھا کے تحت ہے کہ یہ قضائے اضحیہ کا بیان شروع ہوتا ہے۔ جبکہ اس کا وقت نکل چکا ہو۔ کیونکہ اس پر کچھ نہ کچھ قضا کا ضمان ہے۔ جیسے کہ بدائع میں بیان ہے (ج ۵ صـ۱۲۲۹) اور عالمگیری میں ہے .. .. ومنھا انھا تقضی اذا فاتت عن وقتھا ثم قضاؤھا قد تکون بالتصدق (جب وقت نکل جائے گا قضا واجب ہو گی جو کبھی صدقہ کرنے سے ہو گی (ج ۶ صـ۱۹۷) اسی طرح اور فقہاء نے بھی وقت نکل جانیکے بعد اسپر اگر جانور موجود ہو تو اس کا صدقہ ورنہ قیمت کا صدقہ اور غریب اور نذر والے پر خود جانور کا ہی صدقہ کرنا قضا قرار دیا ہے سب جانتے ہیں ادا و قضا میں کس قدر فرق ہے اور ادا کا وقت قصداً نکال دینا گناہ عظیم ہے۔ اور یہی سب کو معلوم ہے کہ قضا سے وہ حق جو فرض و واجب ہوتا ہے۔ ذمہ نہیں رہتا مگر وقت نکال دینے کا گناہ پھر بھی باقی رہتا ہے لہٰذا قضا کی ان عبادتوں سے جن میں قضا بنائی

ہے ۔ اس پر دلیل لے لینا کہ قصداً یہ دن نکال کر صدقہ کرنا جائز یا خود ان دنوں کے اندر بھی صدقہ جائز اور اس سے قربانی ادا ہو سکے گی ۔ بالکل صحیح نہیں ہو سکتا۔

شامی میں ہے کہ قضا میں اگر جانور زندہ موجود ہو تو زندہ کو ہی خیرات کرنا واجب ہے ۔ اگر ذبح کرے گا۔ تو ذبح کرنے سے جو کمی قیمت کی واقع ہوگی اس قدر پیسے خیرات کرنا بھی واجب ہو نگے اور اس کے گوشت میں سے خود کھانا بالکل ناجائز ہے اور تکملہ عمدۃ الرعایہ میں ہے۔ کہ اگر ایام قربانی گزرنے سے پہلے قیمت کو صدقہ کر دیا تو اسپر دوسری قربانی واجب ہے ۔ اور شامی میں ہے کہ ان ایام کے گزرنے سے پہلے قیمت کو صدقہ کر دیا تو اس پر دوسری قربانی واجب ہے ۔ اور شامی میں ہے کہ ان ایام کے گزرنے سے پہلے اگر زندہ جانور صدقہ کر دیا تو بھی دوسری قربانی واجب ہے ۔

تو معلوم ہوا کہ فقہائے احناف کے نزدیک تو ان دنوں میں صدقہ کر دینے سے خواہ خود جانور کو صدقہ کر دیں یا قیمت کو دوسری قربانی واجب ہوگی پھر اس کے ادا نہ کرنے سے ترک واجب کا گناہ ہوگا۔ اور ان دنوں کے نکل جانے کے بعد ادا کا وقت تو بالکل گیا۔ اب صرف قضا ہی ہو سکتی ہے جس سے قصداً ادا کا وقت نکال دینے کا گناہ تو ساقط نہیں ہوگا۔ ہاں ذمہ داری ساقط ہو جائیگی اگر جانور باقی ہے تو اس کو خیرات کرنا قضا ہے ورنہ قیمت کا صدقہ کر دینا قضا ہے۔

ہدی اور قربانی

بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں یا مبتلا کر دیئے جاتے ہیں کہ جو قربانی حرم شریف میں کی جاتی ہے اصل تو وہ قربانی ہے۔ اس کو ہدی کہتے ہیں اور جو قربانیاں باہر کی جاتی ہیں۔ وہ اصل قربانی نہیں محض اسکی نقل ہیں۔ ہدی فرض ہے قربانی فرض نہیں۔ ہدی اصل یادگار ہے اور قربانی تشبیہی تو جب اصل فرض میں صدقہ کافی ہو سکتا ہے ۔ مشابہ وغیر فرض میں بھی کافی ہوگا۔ اس لیئے یہ عرض کرنا بھی ضروری معلوم ہوا کہ ہدی کیا ہے اور قربانی کیا۔ اور کیا دونوں ایک شے ہیں ۔ محض جگہ کے بدلنے سے ایک اصل و فرض اور ایک واجب اور پھر نقل یا مشابہت ہے تاکہ اسپر جو لوگ یہ تعمیر قائم کر لیتے ہیں کہ جب اصل قربانی میں صدقہ جائز ہے تو نقل میں بھی ہے۔ اس کا غلط ہونا معلوم ہو سکے۔

درمختار اور شامی میں ہے کہ ہدی وہ پالتو جانور اونٹ گائے بکری کے قسمیں ہیں ۔ جو حرم شریف اس لیئے لے جا کر ذبح کیئے جاتے ہیں تاکہ حرم میں ذبح سے ثواب حاصل کریں ۔ (شامی ج ۲ صہ ۲۴۲) تمام فقہا اور شراح حدیث بھی تعریف کرتے ہیں۔ مگر اسکی متعدد قسمیں ہیں۔ جن میں وہ قربانیاں بھی داخل ہیں جو حرم شریف میں کی جاتی ہیں۔ اس لیئے ہدی کا مفہوم حرم کی قربانی سے کچھ عام ہے ۔ ملا علی قاری نے مناسک حج پر جو کتاب لکھی ہے اور آج تمام عالم میں نہایت مستند مانی جاتی ہے ۔ اس میں فرماتے ہیں کہ ہدی کی دو قسمیں ہیں۔ ہدی شکر اور ہدی جبر۔ پھر ہدی شکر دو طرح کی ہوتی ۔ ہدی شکر خاص جو کسی خاص نعمت کے شکر میں ہو۔ وہ حج تمتع اور حج قران کی ہدی ہے۔ دوسری ہدی شکر مطلق۔ وہ نفلی ہدی ہے۔ جس میں نفلی قربانی اور نفلی نذر بھی داخل ہیں۔ اور ہدی جبر کا مطلب یہ ہے کہ حج کے کسی رکن و واجب میں کوتاہی ہو جائے۔ یا کسی جرم کی تلافی کے لئے ہو۔ جیسے کہ تمام واجب دَم (جانور ذبح کرنا) ہیں۔ جو احصار یعنی حج یا عمرہ سے بعد احرام کے مرض یا دشمن وغیرہ کی وجہ رکاوٹ پر یا احرام توڑنے پر یا احرام کے شکار کے عوض یا احرام کی ممنوعات کے جرم کے کفارہ میں یا میقات سے بلا احرام نکل جانے پر واجب ہو سوائے گزشتہ تمتع و قران و نفلی قربانی کے۔ اور نذر واجب اور واجب قربانی بھی اسی میں داخل ہیں (مناسک ملا علی قاری صہ ۲۶)

لہذا لوگوں کا یہ خیال کہ قربانی کی دو قسمیں ہیں جو حرم میں ہو وہ ہدی اور اصلی قربانی ہے۔ اور جو حرم سے باہر ہو وہ تشبیہی یا نقل قربانی کی ہے ۔ بے اصل بات ہے ۔ بلکہ اس کے برعکس خود ہدی کی قسموں میں سے حرم کی قربانی بھی ایک قسم ہے۔ گو مطلق قربانی ہدی کی قسم نہیں اصطلاحی لفظوں میں اس کو یوں تعبیر کر سکتے ہیں کہ ہدی اور قربانی میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے ۔ جو قربانی حرم سے باہر ہے۔ وہ قربانی تو ہے ہدی نہیں اور جو قربانی حرم کے اندر ہے وہ قربانی بھی ہے ۔ ہدی بھی ہے اور حرم میں جانور ذبح کرنا جو حج کے افعال مذکورہ بالا کی وجہ سے شکر خاص و مطلق یا کسی کوتاہی و جرم کی مکافات میں ہو۔ وہ ہدی تو ہیں قربانی نہیں ہیں۔ ہدی اور قربانی کی یہ نسبت حدیث شریف سے بھی مفہوم ہو جاتی ہے ۔ دلائل وجوب کے ۱۶ میں حدیث گزر چکی ہے۔ کہ حضورؐ نے مدینہ منورہ کے قیام دس سالہ میں اور سفر و حضر میں ہمیشہ قربانی کی ہے اور ہجرت کے بعد حج صرف حجۃ الوداع ہوا ہے ۔ حجۃ الوداع کے واقعات میں ہدی ہی ہدی کا ذکر ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مدینہ شریف میں صرف قربانی تھی ۔ اور حرم شریف میں صرف ہدی بھی تھی اور ہدی و قربانی بھی ۔ مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ حضورؐ نے حجۃ الوداع میں سو اونٹ اور عمرہ حدیبیہ میں ستر اور عمرہ قضا میں ساٹھ ذبح فرمائے تھے (ج ۳ صہ ۲۳۰) ظاہر ہے کہ ہدی تمتع و قران اور جنایات کے دم اس قدر نہیں ہو سکتے ۔ تو لامحالہ یہ نفل ہدی اور قربانیاں ہی تھیں ۔

اس ہدی اور قربانی میں متعدد قسم کے فرق ہیں مسئلہ کو زیادہ واضح کرنے کے لیئے ان کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے ۔ ع ۱ جو حاجی لوگ مسافر بسفر شرعی ہیں۔ ان پر قربانی تو واجب نہیں ہوتی ۔ کیونکہ مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے ۔ مگر حج تمتع و حج قران کے شکریہ کی اور افعال حج یا ممنوعات احرام ارکان ترک جانے کی وجہ سے ہدی واجب ہوگی ۔ چاہے مسافر ہو یا مقیم اور مقیم پر یہ مذکورہ وجوہ سے جو ہدی واجب ہوتی ہے۔ قربانی ان سے الگ واجب ہوتی ہے ۔ ان میں ادا نہیں ہوتی۔ درمختار کے قربانی کے بیان میں فاما اهل مكة فتلزمهم وان حجوا۔ یعنی اہل مکہ پر قربانی واجب ہوتی ہے ۔ اگرچہ وہ حاجی ہوں

ع ۲ دوسرا فرق یہ ہے کہ ہدی کے لیئے جگہ تو معین ہے کہ حرم میں ہو۔ مگر یہ قربانی کے دن قربانی کی طرح معین نہیں یا بالکل ہی انکی خصوصیت نہیں۔ یا اس طرح سے نہیں۔ حج تمتع و قران کے شکریہ کی ہدی کیلئے یہ دن معین تو ہیں ۔ مگر اس طرح کہ دس تاریخ سے پہلے تو جائز نہیں اور ان سب دنوں کے بعد بھی جائز ہے۔ ہاں اتنا اختلاف ہے کہ امام اعظم کے نزدیک ترک واجب ہو کر ایک دم (بکری کا ذبح) اور واجب ہوگا اور امام محمد و امام ابو یوسف کے نزدیک وہ بھی نہیں (شامی ج ۲ صہ ۳۴۴) دوسری ہدیوں کیلئے یہ دن بھی معین نہیں (شامی) اب لوگوں کا ان کو اصلی قربانی قرار دینا کس قدر غلط فہمی ہے ۔ دیکھ لیجیئے۔

ع ۳ تیسرا فرق یہ ہے کہ قربانی میں تو ایک شخص پر ایک بکری مینڈھا۔ دنبہ وغیرہ یا ۱/۷ حصہ اونٹ یا گائے وغیرہ کا واجب ہوتا ہے اور ہدی میں کہیں جگہ پورا اونٹ واجب ہے۔ بکری وغیرہ جائز ہی نہیں۔ مثلاً بے غسلی کی حالت میں طواف حج کرنے اور وقوف عرفہ کے بعد حلق سے پہلے بیوی سے صحبت کر لینے میں پورا اونٹ یا گائے ہی واجب ہے۔ ایسے ہی وقوف عرفہ کے بعد موت واقع ہونے میں بشرط وصیت طواف زیارت کے بدلہ اور جنایت احرام میں شتر مرغ کے شکار کے عوض بھی پورا اونٹ واجب ہے (شامی)

ع ۴ چوتھا فرق یہ ہے کہ قربانی کا گوشت کل کا کل یا کچھ خود کھانا جائز ہے ۔ اور ہدی میں شکریہ تمتع و قران اور نفل ہدی میں تو جائز ہے

دوسرے ہدی کا گوشت خود کھانا جائز نہیں صدقہ کرنا واجب ہے (شامی و درمختار)

۵ پانچواں فرق یہ بھی کہ بعض ہدی کے اونٹوں کو قلادہ (ہار) پہنانا مستحب ہے۔ قربانی میں نہیں۔

۶ چھٹا فرق یہ ہے کہ ہدی مسافر پر بھی واجب ہوتی ہے۔ قربانی واجب نہیں ہوتی

۷ ساتواں فرق یہ ہے کہ نصاب زکوٰۃ سے کم کا کوئی مالک ہو تو ہدی اس پر بھی واجب ہے۔ قربانی واجب نہیں۔

۸ آٹھواں فرق یہ ہے کہ اس ہدی کی نیت سے قربانی اور قربانی کی نیت سے یہ ہدی جائز نہیں۔ گو وہ قربانی قربانی کی نیت سے جائز ہوگی۔ جو حرم شریف میں ہوگی اور اس وجہ سے وہ ہدی بھی کہلا سکے گی۔ اور قربانی بھی۔

۹ نواں فرق یہ ہے کہ ہدی رمی جمرہ سے پہلے جائز نہیں۔ قربانی جائز ہے۔

۱۰ فرق یہ ہے کہ اس مذکورہ ہدی کا بدل بعض صورتوں میں روزہ ہو سکتا ہے۔ قربانی میں نہیں ہو سکتا۔ یہ سب مسائل درمختار شامی عالمگیری وغیرہ اور حج کی کتابوں میں ہیں۔ اکمال شرح مسلم شریف میں ہے کہ اونٹ گائے بکری اور ان کے اقسام جو ثواب کے لئے ذبح کئے جاتے ہیں۔ وہ چار قسم کے ہیں۔ ہدی۔ دم قربانی اور عقیقہ (ج ۵ ص ۲۹۰)۔ لہذا قربانی کی قسم ہدی کو شمار کر لینا غلط ہے۔ اور اوپر تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے کہ ہدی از خود ہر مسلمان پر واجب ہو ایسا نہیں ہے بلکہ تمتع و قران کے شکر میں یا احرام کے بعد رکاوٹ میں احرام کھولنے کے لئے یا افعال حج و ممنوعات احرام کی کوتاہی میں واجب ہوتی ہے۔ لہذا از خود بلا کسی مذکورہ سبب کے ہدی نہ فرض نہ واجب نہ سنت کہیں یہ حکم نہیں ہے کہ از خود ہر مسلمان پر حرم میں جا کر ذبح کرنا فرض واجب یا سنت ہے۔ چنانچہ جو حضرات حج کر چکے ہیں اور وہ مکہ شریف میں آئندہ سال یا سالوں میں مقیم ہیں اور دوسرا حج نہیں کر رہے ہیں۔ اور جو لوگ حج کرتے ہیں مگر تمتع و قران نہیں افراد کرتے ہیں اور رکاوٹ اور حج یا احرام کے فعل میں خلل نہیں آتا تو اس پر کوئی بھی ہدی نہ فرض نہ واجب نہ سنت اس کو تو سب لوگ جانتے ہوں گے تو اب آپ خود اندازہ لگا لیں کہ ہدی کو قربانی کی طرح واجب ہونے سے کیا نسبت ہے۔

قربانی اور ہدی میں خود انکی ذات میں فرق عظیم ہے۔ قربانی تو سالانہ زندگی کا ایک فدیہ ہے جو مسلمان پر محض مسلمان ہونے سے ہے اور ہدی مذکورہ بالا وجوہ سے شکر یا مکافات کیلئے ہے۔ جان ہر شخص میں ہے۔ بشرط گنجائش ہر شخص پر بشرائط خاصہ قربانی واجب ہے اور ہدی بغیر امور مذکورہ بالا واجب نہیں ہے۔ ہدی مذکورہ بالا وجوہ سے واجب ہوتی ہے۔ نفس مسلمان پر مسلمان ہونے کی وجہ سے واجب نہیں اور ہدی افعال حج کا جز بھی نہیں۔ نہ فرض نہ شرط نہ رکن نہ واجب نہ سنت چنانچہ فقہائے کرام نے انکی فہرست میں کہیں ہدی کو درج نہیں کیا۔ عالمگیری (ج ۱ ص ۱۴۰) میں حج فرض ہونے کی ۹ شرطیں ہیں۔ ۱ اسلام۔ ۲ عقل۔ ۳ غلام نہ ہونا۔ ۴ زاد راہ مع قدرت سواری۔ ۵ فرض ہونے کا علم۔ ۶ جسم کا درست ہونا۔ ۷ راستہ کا امن۔ ۸ عورت کیلئے محرم۔ عدت نہ ہونا اور شرائط ادائیگی کی ۳ ہیں۔ احرام۔ مکان۔ زمان۔ اور ارکان ۲ ہیں وقوف عرفات و طواف زیارت۔ واجبات ۵ ہیں صفا مروہ کی ۱ سعی۔ ۲ قیام مزدلفہ۔ ۳ رمی جمرات ۴ حلق یا قصر ۵ طواف صدر۔ سنتیں ۷ ہیں۔ ۱ طواف قدوم۔ ۲ رمل ۳ منیٰ میں سے رات ایام نحر کی ۴ منیٰ سے عرفات بعد طلوع ۵ مزدلفہ سے منیٰ قبل غروب۔ ۶ مزدلفہ میں رات۔ ۷ رمی ہر سہ جمرات کی ترتیب۔ شرط فرض واجب سنت ہدی کسی میں نہیں۔ بلکہ ہدی خارجی کسی عارض سے واجب ہے۔ اصلی نہیں ہے۔ بطور مکافات کے ہے۔ ہاں ہدی قرآن شریف کی آیات میں مذکور ضرور ہے۔ اس سے کسی کو مستقل ہونے کی غلط فہمی ہوگی۔ مگر آج کل لوگ پوری آیت سامنے نہیں رکھتے اس لئے غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔

(۱) سورہ بقرہ میں ہے

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ۔ جس نے عمرہ سے حج تک فائدہ حاصل کیا تو جو ہدی اس کو آسان ہو واجب ہے، یعنی جس نے حج و عمرہ دونوں ایک سفر میں جمع کر لئے خواہ ایک احرام سے جس کو قران کہتے ہیں یا دو احراموں سے جس کو تمتع کہتے ہیں۔ اس کے ذمہ دونوں عبادتوں کو جمع کر سکنے کی سعادت کی توفیق کے شکریہ میں ہدی واجب ہے۔ اس کو ہدی شکر کہتے ہیں۔ آیت میں حج و عمرہ دونوں کے جمع پر ہدی ہے اگر کوئی صرف حج یا صرف عمرہ کرے گا تو اس پر یہ ہدی نہ ہوگی۔ یہ قربانی کی طرح جان کا فدیہ نہیں کہ ہر ایک پر ہو۔ ورنہ جان ان کے بھی ہے

(۲) سورۃ البقرہ میں ہے

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ۔ اور تم حج و عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو۔ اگر گھر جاؤ تو ہدی آسان ہو۔ واجب ہے اور سر نہ منڈاؤ جب تک ہدی اپنے حلال ہونے کی جگہ نہ پہنچ لے۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ اگر احرام کے بعد حج یا عمرہ پورا کرنے سے تم روک دیئے جاؤ۔ دشمن یا مرض کی وجہ سے گھر جاؤ اور حج یا عمرہ پورا نہ کر سکو تو جو ہدی میسر ہو وہ حرم کو بھیج دو۔ مگر یہ ہدی بھیجنا احرام کھولنے اور سر منڈانے کیلئے ہے۔ اس وقت تک نہ احرام کھولو نہ سر منڈاؤ۔ جب تک ہدی حرم میں حلال ہونے کی جگہ نہ پہنچ جائے۔ یہاں صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہ ہدی از خود کوئی فرض واجب سنت نہیں ہے۔ بلکہ احرام کھولنے اور سر منڈانے کا ایک کفارہ ہے اگر کوئی راستہ میں روک نہ دیا جائے۔ کعبہ شریف پہنچ جائے اور حج و عمرہ کے افعال کرے یا احرام نہ کھولے تو اس پر یہ ہدی نہیں ہے یہ قربانی کی طرح جان کا فدیہ نہیں کہ سب پر واجب ہو بلکہ احرام کھولنے کا کفارہ ہے۔ اسی کو ملا علی قاری نے ہدی جبر میں شمار کیا ہے یا ہدی احصار کہلاتی ہے۔

(۳) سورہ مائدہ میں ہے

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ

اے مسلمانو! تم شکار کو قتل نہ کرو جبکہ تم احرام والے ہو۔ اور جو شکار کو قصداً قتل کرے گا۔ تو اس پر کفارہ واجب ہوگا اس کے مثل جس کو قتل کیا ہے۔ ایک چوپایا جس کو تم میں سے دو انصاف والے لوگ برابر کا حکم لگائیں ہدی ہو گا۔ کعبہ شریف پہنچنے والا۔

اس آیت میں احرام کے ایک ممنوع کے ارتکاب یعنی شکار کر لینے کا کفارہ ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے مثل جانور حرم میں پہنچ کر ذبح کرانا ہے۔ لیکن اگر کوئی شکار نہ کرے تو اس پر نہ یہ فرض نہ واجب نہ سنت نہ مستحب۔ یہ بھی قربانی کی طرح جان کا بدلہ نہیں کہ ہر مسلمان پر بشروط معتبرہ ہو۔ ورنہ آخر شکار نہ کرنیوالے کے بھی جان ہے اور مبارک جان کہ اس نے احرام کی ممنوع چیز کے ارتکاب کا جرم نہیں کیا۔ بلکہ قرآن شریف نے خود صاف صاف بتا دیا ہے کہ یہ تو اس جرم کی سزا ہے۔ اسی آیت کے آگے لفظ یہ ہیں۔

اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ۔ یا کفارہ چند مسکینوں کی خوراک یا خوراک کے بقدر روزے۔ تاکہ اپنی حرکت کا وبال چکھ لے

آیات و تشریحات سے معلوم ہو گیا کہ یہ ہدی الگ ایک حکم ہے اور قربانی الگ ایک حکم۔ اب اس کے بعد اس غلط بنیاد پر کہ ہدی اصلی قربانی ہے اور قربانی اس کی نقل یہ ہوائی محل تیار کرنا کہ جب اصل میں بعض اوقات صدقہ درست ہے تو نقل میں بھی درست ہے بالکل غلط ہو گیا

دوسری بات یہ بھی ہے کہ آیت ۱ کی ہدی شکر سے اگر کوئی عاجز ہو جائے تو وہاں دس روزے

واجب ہیں۔ اسی آیت میں آگے یہ لفظ ہیں۔ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۔ جو ہدی نہ پا سکے اس پر روزے ہیں۔ تین دن ایام حج میں اور سات دن۔ جب تم لوٹ جاؤ یہ دس دن ہیں پورے۔ یہ اس کے لئے نہیں جس کے گھر کے لوگ مکہ شریف نہ ہوں یعنی وہاں کا باشندہ نہ ہو یعنی اس ہدی شکر پر قدرت نہ ہونے کے وقت دس روزے اس تفصیل سے واجب ہو کر ہدی کے قائم مقام ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کے پاس ہدی یا ہدی کی قیمت ہوگی۔ اس پر ہدی ہی واجب ہوگی اور یہاں صاحب نصاب ہونے کی بھی شرط نہیں اتنے بھی دام نہ ہونے کی شرط ہے۔ جس سے ہدی خریدی جا سکے۔ درمختار اور شامی میں ہے۔ اگر یہ تین روزے نہ رکھے اور حج کے دن نکل گئے تو اب ہدی ہی واجب ہوگی۔ اگر پھر بھی ہدی پر قدرت نہ ہوئی تو حلق کرا کے احرام کھولدے (ج ۲ ص ۲۶۵) اب اس پر قیاس کرنا اور عدم قدرت میں قربانی کے بدلہ دس روزے اگر کوئی مقرر کرنا چاہے تو اس کو حق نہیں ہے کسی کو شرعی احکام بنانے کا حق نہیں ہے نہ کوئی خدا بن سکتا ہے۔ نہ رسول اس لئے ایسا کرنا دین کی تحریف ہے اور ایسا قیاس ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اس ہدی کے واجب ہونیکے واسطے تو گنجائش بقدر نصاب زکوٰۃ کا مالک ہونا شرط ہی نہیں۔ یہاں تو عدم قدرت ہو بھی سکتا ہے اور قربانی کے واجب ہونے کے لئے تو گنجائش بقدر نصاب زکوٰۃ شرط ہے۔ وہاں عدم قدرت ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ حاجت اصلیہ سے زائد ایک نصاب موجود ہے اور پھر باوجود قدرت کے کوئی روزے یا صدقہ تجویز کرنے لگے۔ کہ جس کا اس ہدی کے بدل میں ذکر بھی نہیں۔ تو اسکی عقل کا جنازہ نکالنے کے لئے سب کو تیار رہنا چاہیئے اور یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ یہاں جو روزوں کا وقت مقرر ہے اس کے نکل جانے پر پھر ہدی ہی واجب رہتی ہے۔ اس لئے یہ بدل جو بدرجہ مجبوری دعدم قدرت تجویز فرمایا ہے مستقل بدل نہیں اور پھر روزوں کا وقت نکلنے پر ہدی اور ہدی پر بھی عدم قدرت ہو تو ساقط ہے اور آیت میں یہ بھی ہے کہ یہ حکم عام نہیں باہر کے باشندوں کا ہے اور جب آیت میں صدقہ کا ذکر تک نہیں ہے یہاں تو صدقہ کے ہدی کے بھی قائم مقام ہونے کا شبہہ بے بنیاد ہوگا۔ چہ جائیکہ ایک دوسری عبادت قربانی میں قرار دیا جائے۔

اور آیت ع۲ میں آگے اس طرح ہے۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ؕ پھر تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کو سر کی طرف سے کوئی تکلیف ہو تو اسپر فدیہ ہے روزے یا صدقہ یا ذبح۔

آیت کے اس جز کو پہلے جز سے ملا کر پڑھ لیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ جو احرام کے بعد کسی دشمن یا بیماری کی وجہ سے مکہ شریف نہیں جا سکا۔ مصیبت میں گھر گیا تو اسپر ایک ہدی بھیجنا واجب ہے اور جب تک ہدی اپنے ذبح کے مقام منیٰ میں نہ پہنچ جائے اس کو سر منڈانا اور احرام کھولنا جائز نہیں۔ اب یہ ارشاد ہے کہ اگر کوئی بیمار ہو یا سر کی کسی تکلیف کی وجہ سے سر منڈا نہ سکے تو اس پر سر منڈانے کا فدیہ تین چیزوں میں سے ایک ہے۔ تین روزے یا تین صاع گندم کا صدقہ۔ یا ایک بکری وغیرہ ذبح کرنا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے سر منڈا سکنے کی وجہ سے اس کا فدیہ فرمار ہے ہیں۔ اس کو ہدی اور پھر قربانی کا بدل کہنا کس قدر فاش غلطی ہے بلکہ قرآن شریف میں تو روزہ۔ صدقہ۔ ذبح۔ تینوں کو ایک درجہ میں رکھ کر بتا دیا ہے۔ کہ ذبح روزہ وصدقہ کا یا روزہ وصدقہ ذبح کا بدل نہیں۔ تینوں میں سے ایک سر منڈانے کا بدل ہے۔ خواہ کوئی ہو۔ ایک اصل اور ایک بدل نہیں۔

آیت میں تو ان کو سر منڈانے کا فدیہ بدل قرار دیا ہے۔ ہدی احصار کا بدل ہی نہیں قرار دیا۔ یہ شبہہ بھی ہو سکے اور آپس میں بھی ایک دوسرے کا بدل نہیں۔ تینوں کا ایک درجہ ہے۔ اور ہر ایک سر منڈانے کا بدل ہے۔ بلکہ اگر ترتیب دلیل بن سکتی تو اول روزہ پھر صدقہ پھر ذبح کا ہونا ہوتا تو الٹا ذبح کا صدقہ وصیام کے قائم مقام ہونا ثابت ہوتا۔ نہ کہ صدقہ کا ذبح کے قائمقام ہونا اور اصول لغت میں اَوْ جو درمیان میں ہے۔ ترتیب کے لئے نہیں ہوتا صرف تردید و اختیار کے لئے ہے پھر حدیث شریف سے یہ واضح ہے کہ ان میں اول دوم سوم کی ترتیب نہیں۔ ابوداؤد شریف میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعب بن عجرہ پر گذرے تو ان کے سر میں بہت جوئیں دیکھیں۔ فرمایا کہ سر منڈا دو ایک بکری ذبح کر دو یا تین روزے رکھ لو۔ یا تین صاع کھجوریں چھ مسکینوں کو دے دو۔ تو حدیث اس ترتیب کے خلاف آکر بتاتی ہے کہ ان میں کوئی ترتیب نہیں ہے اور تفسیر ابن کثیر میں حضرت کعب بن عجرہ کی مذکورہ حدیث میں آخر میں یہ لفظ بھی ہیں۔ ای ذٰلک فعلت اجزاء عنک ان میں سے جو بھی کر لوگے کافی ہو جائے گا۔ معلوم ہوا ان میں آپس میں ایک اصل ایک بدل نہیں۔ تینوں برابر ہیں۔

اس لئے نہ یہاں ذبح کا بدل صدقہ ہے اور نہ یہ تینوں ہدی کا بدل ہیں۔ ورنہ ہدی کا بدل ذبح کیا معنی جو ان تین کا ایک ہے۔ اس لئے ساری بنیاد بالکل غلط ہے۔ اور آیت ع۳ کا وہ جز جو بعد میں لکھا ہے۔ جس میں سزا ہونے کا بیان ہے وہ علی الاعلان بتا رہی ہے کہ جس نے احرام کی ممانعت کے توڑنے کا یہ جرم کیا ہے۔ اس کی سزا تین باتوں میں سے ایک ہے کہ دو مسلمان عادل شکار کی قیمت لگا دیں۔ اگر اس کی قیمت اونٹ گائے بکری وغیرہ تک پہنچ جائے تو ہدی لے کر حرم میں ذبح کریں۔ یا اس قدر قیمت کا غلہ لے کر فی کس دو سیر خیرات کریں یا جتنے لوگوں کو یہ خیرات مل سکتی ہو۔ ان کی تعداد کے موافق روزے رکھ دیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ (تاکہ اپنے کیئے کی سزا چکھ لے) ارشاد کے باوجود اس کو کس طرح قربانی قرار دے کر اسپر ہوائی تعمیر قائم کی جا رہی ہے اور آیت کے اور آگے کے لفظ اس کے بطور سزا ہونے کا اور اعلان کر رہے ہیں۔ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ (اللہ تعالےٰ نے گذشتہ تو معاف فرما دیا۔ مگر جو پھر ایسا کرے گا۔ اس سے انتقام لیں گے) غرض یہاں تو سزا کے طور پر ہے پھر حرف اَوْ (یا) کے ساتھ ہے۔ جو سب کو برابر درجہ ہے۔ ثابت کرتا ہے۔ ایک کو دوسرے کا قائمقام یا اصل نہیں قرار دیتا تو یہ نہ قربانی ہے۔ نہ بطور عبادت۔ بلکہ بطور سزا ہے نہ ایک اصل ایک بدل ہے مگر لوگ جو جی چاہتا ہے۔ اس کی قرآن پر تہمت لگا دیتے ہیں۔ یہ بہت سخت بات ہے سب کو اس سے بچنا ضروری ہے۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اس سے زیادہ کون ظالم ہے جو خدائے پاک پر جھوٹی تہمت لگا دے۔

یہ دعوےٰ بھی بالکل غلط ہے کہ ہدی فرض ہے اور قربانی فرض نہیں۔ قربانی کا واجب یعنی عملی فرض ہونا تقریباً بائیس دلیلوں سے شرح وبسط اور شبہات کے ساتھ ثابت کیا جا چکا ہے اور ہدی کو ثابت کر دیا گیا ہے کہ وہ مسلمان پر بحیثیت مسلمان ہونے کے نہ فرض نہ واجب، نہ سنت، نہ مستحب۔ صرف حاجیوں پر اور ان میں سے بھی صرف بعض پر بعض خاص اسباب کی بنا پر ہے۔ شکریہ ہے یا کوتاہی کی مکافات پر واجب ہوتی ہے۔ جو لوگ حج نہیں کر رہے ہیں نہ ان پر واجب اور جو لوگ حج بھی کر رہے ہیں مگر ان اسباب کا وجود ان کے یہاں نہیں ہوا نہ ان پر واجب اور نہ ہدی قربانی کی قسم ہے۔

یہ صرف غلط فہمی ہی غلط فہمی ہے۔ چونکہ لوگ حج کے مسائل سے واقف نہیں ہوتے۔ اس لئے ایسی غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

کیا ہدی اور قربانی یادگاریں ہیں

بعض لوگ عجیب منطق بگھارتے ہیں۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اصلی یادگار تو ہدی ہے کہ کعبہ شریف کی تعمیر کے بعد انہوں نے حرم اور حج میں جانور ذبح کئے تھے اور مکہ شریف سے باہر رہنے والے جو قربانیاں کرتے ہیں۔ وہ اس حرم و حج کی ہدی کی نقل اور اس یادگار کی مشابہت پیدا کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ وہ اصلی یادگار ہے۔ یہ تشبیہی۔ اصل یادگار میں صدقہ و خیرات بعض صورتوں میں قائم مقام ہو جاتا ہے تو تشبیہی یادگاریں بھی ہو جائے گا۔

لیکن بہت افسوس سے عرض کرنا پڑتا ہے کہ اس منطق کا ایک جزو بھی صحیح نہیں۔ بڑی غلط فہمیوں اور سخت مغالطوں کا مجموعہ ہے۔ اس لئے اس کے ہر جزو کو بھی تفصیل سے پیش کرنا ضروری ہے۔

یورپ کے عیاروں نے مسلمانوں کو اسلام سے ہٹانے کی جو چالیں چلی ہیں۔ وہ بہت خطرناک اور بعض ایسی باریک ہیں کہ ان تک نظر نہیں پہنچتی۔ انہی حرکتوں میں سے ایک یہ بھی کہ لامذہب لوگوں نے مسلمانوں کے دلوں سے انکی عبادتوں کے خلوص کو نکلوا دینے کی کوشش کی ہے اور ان کو یا دنیوی مفادات کا کہ آلہ کار دلنشین کرا دیا جائے کہ پھر اس طرح نہ وہ عبادت رہے۔ نہ دین کا کام رہ سکے۔ اسی طرح ایک کوشش یہ ہے کہ عبادتوں میں بت پرستی کی بو پیدا کی جائے اور ان کو بجائے خدا پرستی کے صرف ایک شخصیت پرستی بنا کر رکھ دیا جائے۔ تو پھر وہ بجائے عبادت یا دین کا کام ہونے کے ایک بد دینی اور بت پرستی کی شان اختیار کرلیں۔ مگر مسلمان ہیں کہ آنکھیں بند کرکے ان کے پیچھے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ اور قطعاً اس کی فکر نہیں کرتے کہ وہ کہاں سے کہاں جا رہے ہیں

یادگار کیا ہوتا ہے اس کی حقیقت کو نظر کے سامنے رکھئے۔ پھر غور کیجئے کہ اسلامی تعلیمات کو اس سے دور کا بھی کوئی واسطہ ہو سکتا ہے۔ گزشتہ لوگوں میں سے کسی عظیم ہستی کی یاد دلوں میں قائم کرنے کے لئے کہ لوگ اس کو دیکھ کر اس ہستی کو یاد کر کرکے اسکی تعظیم و تکریم کرتے رہا کریں۔ کوئی امارت یا ادارہ کام یا چیز قائم کر دی جاتی ہے۔ وہ کوئی خدائی حکم نہیں ہوتا۔ لوگ اپنی یادداشت کے لئے یہ سلسلہ قائم کرتے ہیں۔ لیکن غور سے دیکھ لیا جائے کہ یہ تو محض شخصیت پرستی کی تمہید ہے پہلے لوگوں نے اپنے بڑوں کے مجسمے بنا کر رکھے کچھ لوگوں نے تصویریں بنا کر رکھیں اور بعض اوقات بعض جگہ یہ تعظیم بڑھتے بڑھتے شرک اور بت پرستی تک پہنچ گئی۔ بت سازی و بت پرستی اسی کا ایک شعبہ بن کر دنیا میں نمودار ہوئی۔ یہ شخصیت پرستی کبھی پرستش اور کبھی بت پرستی کی تمہید ہو جاتی ہے۔ اسلام جو بت پرستی اور اس کی تمہیدوں کو مٹانے کیلئے آیا ہے افسوس آج ہندوؤں اور عیسائیوں کے میل جول سے جن کا مذہب ہی بت پرستی و شخصیت پرستی ہے۔ خود مسلمانوں نے بھی اسلام کے خلاف یہ باتیں اسلام میں داخل کرنی شروع کر دی ہیں۔ یہ تمام ڈسے اور یادگاریں صرف ہندو اور عیسائی لوگوں کی نقل سے مسلمانوں میں آ گئی ہیں۔ کسی اسلامی عبادت کو کسی بزرگ کی یادگار کہنا اس کو خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی رضامندی و خوشنودی سے نکال کر ایک مخلوق انسان کی تعظیم کا سبب صرف شخصیت پرستی یا اس کی تمہید کا بہتان اسلام پر لگانا ہے۔ یہ اسلام کی خیر خواہی نہیں ہے۔ نادان دوستی ہو کر ایک دشمنی ہے اور مسلمانوں کو عبادت میں محض خلوص اور خدائے قدوس کی خوشنودی حاصل کرنے سے ہٹا کر ایک جرم کی صورت میں مبتلا کرنا ہے اور بت پرستی کی طرف مائل کرنا ہے

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ام حبیبہؓ اور ام سلمہؓ نے نصرانیوں کے ایک عبادتخانہ کا ذکر کیا۔ جس کو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا اس میں گذشتہ لوگوں کی یادگار تصویریں تھیں حضورؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ جب ان میں کوئی نیک آدمی مر جاتا ہے تو اسکی قبر پر عبادتگاہ اور تصویریں بنا دیتے ہیں یہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالےٰ کے نزدیک ساری مخلوق سے بدتر ہونگے۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۱۵)۔ عبادتگاہوں کی یادگاروں اور تصویروں کی یادگاروں کی اسلام میں یہ حقیقت ہے

اگر یادگاریں قائم کرنا اسلام کا کوئی کام ہوتا۔ تو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش یاد دنیا میں آنے۔ یا حضرت حوا کی پیدائش یا دونوں کی ملاقات یا انکی وفات یا یوم نبوت یا نوح علیہ السلام کی یہ باتیں یا طوفان سے کفار کے غرق اور مسلمانوں کی نجات یا ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جاکر نجات پانے یا دوسرے انبیاءؑ کے ممتاز واقعات یا خود حضورؐ کی یادگاریں کوئی چیز تو اسلام میں کہیں تعلیم کی گئی ہوتی۔ حضور جبکہ حضورؐ کو فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (ان انبیاء کے طریقہ کی اقتدا کیجئے) کا حکم بھی ملا ہوا تھا۔ مگر نہ حضورؐ کے یہاں نہ صحابہ و تابعین کے یہاں نہ اسلام کی کسی تعلیم میں کسی نبی یا بزرگ کی کوئی یادگار آج تک نہیں پائی گئی۔ بلکہ اوپر کی حدیث کے ارشاد اور اس عمل اور امت کے اجماع سے ان یادگاروں کا غیر اسلامی کام ہونا معلوم ہو رہا ہے اور اوپر کی خرابیوں کی وجہ سے اسلامی تعلیمات کا بالکل مخالف ہونا معلوم ہوا۔ اس لئے قربانی اور ہدی یادگاریں قرار دے کر ایک عظیم الشان عبادت کو جس کو خود حق تعالےٰ بذات عظیم لفظ سے عظیم الشان ہونا بیان فرما رہے ہیں اس طرح عبادت کے درجہ سے نکال کر شخصیت پرستی کی لائن میں داخل کرنا عبادت کی توہین کرنا ہے۔ عبادت بدنی ہو یا مالی محض رضائے الٰہی کیلئے ہونی ضروری ہے اگر کسی انسان کی یادگار قرار دیا جائے گا تو مطلب یہ ہوگا۔ اس بزرگ کی خوشنودی و قرب حاصل کرنے کیلئے کی جا رہی ہے تو سوچ کر دیکھئے پھر وہ عبادت عبادت ہی کہاں رہی۔ وہ تو ایک شرک کی سی صورت بن گئی حضرت عائشہؓ والی مذکورہ حدیث میں اسی لئے ایسے لوگ بدترین مخلوق قرار پائے ہیں۔

سوال ہو سکتا ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کو سنۃ ابیکم ابراھیم (تمہارے دادا ابراہیمؑ کی سنت ہے)۔ فرمایا ہے اور ایسے ہی حج کے تمام افعال مثلاً طواف فرشتوں کے بیت المعمور کے گرد چکر لگانیکی اور سعی بین الصفا والمروہ حضرت ہاجرہؑ کے حضرت اسمٰعیل کی پیاس کے وقت آمد و رفت کرنیکی اور عرفات کے میدان میں قیام جنت سے اترنیکے بعد حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی وہاں ملاقات کی اور منیٰ میں ذبح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبح کی یادگاریں ہی تو ہیں تو یادگاریں اسلامی کام ہوئیں۔

جواب یہ ہے کہ یہ ایک گہرا مغالطہ ہے اور اس کا سبب یادگار اور سنت و طریق میں امتیاز نہ کرنا ہے۔ یادگار تو خود اس شخص کی تعظیمی یاد قائم کرنے کے لئے بغیر حکم الٰہی کے ہوتی ہے اور اس کا مقصد صرف اس شخص کی عظمت یا اس کے کارناموں کی عظمت اور پھر اس کی عظمت ہے اور سنت و طریقہ یہ نہیں ہے بلکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے کسی مقبول بندے سے محض اللہ کی رضا کے لئے جوش عشق و محبت میں کوئی عاشقانہ عمل سرزد ہوا جو بارگاہ الٰہی میں شرف سے نوازا گیا تو اب اس قبول کے بعد خاص اس شخص کی عظمت کیلئے نہیں۔ بلکہ رضائے الٰہی حاصل کرنے کیلئے ایک مقبول طریق کے موافق دوسروں کو خود حق تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے کہ تم بھی یہ مقبول طریقہ عمل میں لاکر ان مقبول بندوں کی طرح مقبولیت بارگاہ الٰہی حاصل کرنیکی کوشش کرو۔ جس طرح خود حق تعالےٰ نے اس بزرگ کو اس کے عمل کی توفیق عطا فرمائی اور پھر اس عمل کو شرف قبول سے نوازا ہے۔ اسی طرح دوسروں کو بھی ان کے قصد و ارادہ پر انکی توفیق اور شرف قبول کی نوازش عطا ہوگی۔ یہاں محض رضائے الٰہی کے لئے ہی عمل ہوتا ہے اور حکم الٰہی کے تحت ہوتا ہے ورنہ تمام انبیاء و ملائک کی ہزارہا عاشقانہ باتیں ہیں جن کے لئے حکم الٰہی نہیں آیا۔ وہ حکم شرعی اور اجازت کے تحت بھی نہیں آئینگے۔ چنانچہ ان امور کے ادا کرنے والوں کو ان بزرگ کی عظمت کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ محض اور خالص خدا تعالیٰ کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے اور بہت کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا کہ یہ طریقہ فلاں مقبول الٰہی بزرگ

کا مقبول شدہ طریقہ ہے۔ اس لئے ان امور کو یادگاروں سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

چنانچہ امام طحاوی نے حضرت عبید اللہ بن محمد بن عائشہ بنت طلحہ سے روایت کیا ہے کہ آدمؑ کی توبہ فجر کے وقت قبول ہوئی۔ آپ نے دو رکعت پڑھیں۔ وہ فجر کی نماز قرار پائی اور قربانی کا فدیہ ظہر کے وقت ادا ہوا۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار رکعتیں پڑھیں وہ ظہر کی نماز قرار پائی اور حضرت عزیر علیہ السلام جب دوبارہ زندہ کئے گئے تو پوچھا گیا کتنے عرصہ رہے ہو بولے ایک دن پھر سورج کو جھکتا دیکھا تو بولے دن سے کچھ کم اور چار رکعتیں پڑھیں یہ عصر کی نماز قرار پائی اور داؤد علیہ السلام کی لغزش مغرب کے وقت معاف ہوئی تو انہوں نے چار رکعت پڑھنی چاہیں مگر تھک کر تین پر بیٹھ گئے یہ مغرب کی نماز مقرر ہوئی اور عشاء صرف ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہے۔ اسلام تمام ادیان سماویہ کی ممتاز عبادات اور احکام کی میزان کل ہے۔

"آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری"

مگر یہ سب نمازیں خالص عبادات ہیں۔ ان حضرات کی یادگاریں اور انکی عظمت دل میں جمانے کے لئے از خود تجویز کردہ نہیں۔ نہ بہت لوگوں کو یہ معلوم کہ کون نماز کن بزرگ نے کس کیف کے وقت پڑھی تھی۔ اس لئے کوئی آج تک ان کو یادگار نہیں کہہ سکا۔ مگر حق تعالیٰ کی خاص توفیق سے خاص کیف کی جو مقبول عبادتیں ان مقبول بندوں سے صادر ہوئیں اور اعزاز قبول سے سرفراز ہوئیں ان کو حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے امت محمدیہ کے لئے مقرر فرما دیا ہے۔

طریق عبادت اور یادگار میں کئی فرق ہیں۔ ان کو ذہن میں رکھنے سے انشاء اللہ یہ غلط فہمی نہ ہوگی اور پھر اسلام پر تہمت اور عبادات اسلامیہ کی تحقیر لازم نہ آئے گی (الف) یادگار حکم الہٰی کے تحت نہیں ہوتی۔ از خود کسی انسانی معظم ہستی کی عظمت تجویز کی جاتی ہے۔ اور طریق عبادت اب حکم الہٰی سے فرض وواجب بنتا ہے۔ گو اس کا اول صدور ایک خاص کیف ومستی عشق الہٰی میں ہوتا ہے (ب) یادگار کسی انسان کی عظمت کے لئے قائم کی جاتی ہے اور طریق عبادت محض حق تعالیٰ کی عظمت وخوشنودی کے لئے ہے (ج) یادگاریں جو غیر اللہ کی عظمت کے لئے ہیں بڑھتے بڑھتے شرک تک پہنچنے کا سبب بن جاتی ہیں اور طریق عبادت اس سے پاک ہے بلکہ خالص توحید (د) یادگار کا آغاز عوام سے از خود ہوتا ہے اور طریق عبادت کا آغاز مقبولان الہٰی سے (ہ) یادگار میں مقبولیت خداوندی کی کوئی دلیل نہیں ہوتی اور طریق عبادت چونکہ مقبولین کے کیف وجذبہ میں صادر ہو کر مقبول الہٰی بن چکتا اور پھر اس کا حکم نازل ہوتا ہے تو یہ اس کے مقبول ہونے کی کھلی دلیل ہوتی ہے (ذ) یادگار کا آغاز بے اصل اور انجام بدعت یا شرک۔ طریق عبادت کا آغاز مقبولیت سے اور انجام تعمیل فرض وواجب کا اجر عظیم۔

اس لئے کسی عبادت کو یادگار سمجھنا اور سمجھانا ایک خطرناک کام ہے جو بت پرستوں نے تو اپنی بت پرستی کے مذاق سے ایجاد کر رکھی ہے۔ مسلمانوں کو اس سے سخت ترین پرہیز کرنا ضروری ہے۔

اور یہ بات کہ ہدی اصلی یادگار ہے ایک عجیب مہمل بات معلوم ہوتی ہے۔ اگر یادگاروں کی کوئی اصلیت بھی اسلام میں ہوتی تو اس کو یادگار کہنا ناواقفی کی دلیل ہوتی۔ کیونکہ ہدی جو قربانی کے علاوہ ہے وہ تمتع یا قران کا شکریہ ہے یا افعال حج واحرام کی کوتاہیوں کی مکافات اور ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حج کے تمام افعال اور ان کے احکام تفصیلی نقل نہیں ہیں۔ نہ یہ ضروری ہے کہ شریعت ابراہیمی میں بالکل یہی احکام ہوں۔ اس لئے ان سے قران و تمتع کا ہونا پھر ان کے شکریہ میں ہدی۔ احرام کے بعد حج روک دیا جانا اور احرام کھولنے کے لئے ہدی۔ واجبات حج وعمرہ کی یہ تفصیلات اور ان کی کوتاہی پر ہدی۔ احرام کی بھی ممنوعات اور خلاف ورزی پر ہدی۔ اگر تفصیلی طور سے نقل ہوتا تو اس کو یادگار کہنے کی کوئی غلط صورت بن بھی آتی۔ ورنہ حقیقت میں تو وہ طریق عبادت ہی قرار پاتا۔ جس کو فرق ملنے مذکورہ سے آپ محسوس کر سکتے ہیں۔ لیکن باوجود تفصیلات کے نہ ہونے کے ان کو وہاں فرض کر لیا جاتا ہے۔ اور پھر حج کی ان سب باتوں کو ان باتوں کی یادگار اور اصلی یادگار کہہ دیا جاتا ہے خواہ کوئی وجہ اور دلیل ہو یا نہ ہو۔ خیال تو کیجئے کہ جب اصل باتیں ہی معلوم نہیں تو ان کی یادگار کیا معنی۔

اور پھر قربانی کو ان مذکورہ ہدی کی مشابہت اور تشبیہی یادگار کہنا اور بھی زیادہ مضحکہ خیز ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربانی اس وقت کی تھی جب حضرت اسمٰعیلؑ کا بالکل بچپن تھا۔ اور کعبہ شریف کی تعمیر اور حج کا حکم احکام اس وقت ہوئے جب حضرت اسمٰعیلؑ شریک تعمیر تھے تو اول تو قربانی کو جو بحکم آیت وفدیناہ جان کا فدیہ تھی۔ حج کے شکر ومکافات کے مشابہ کہنا کیا معنی۔ دوسرے اس وقت تک کہ جب قربانی کا صدور حضرت ابراہیمؑ سے ہوا نہ کعبہ شریف کی عمارت کی تجدید ہوئی تھی نہ حج کا اعلان اور حج کا حکم نہ اس کے احکام وغیرہ۔

اور اگر قربانی کو ہدی کی مشابہت میں حضرت ابراہیم کی قربانی کی مشابہت کہا جائے تو پھر کچھ بات تو بنے گی لیکن اول تو قربانی کو ان کی قربانی کے اور ہدی کو انکی ہدی کے مشابہ ہونے میں تفاوت نہ ہوگا۔ کہ ہدی کو اصلی اور قربانی کو تشبیہی قرار دیا جا سکے۔ دوسرے قربانی کا وجود پہلے کا حضرت اسمٰعیل کے بچپن کا اور تعمیر کعبہ و حج واعلان حج بعد کا ہے مشابہ ہونے میں قربانی ہی اول اور اصل بن جاتی ہے۔ اس لئے یہ بات کچھ قرین عقل نہیں معلوم ہوتی

کیا قربانی میں فخر وریا ہے

بعض لوگ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے قول کان الرجل یضحی بالشاۃ عنہ وعن اھل بیتہ فیاکلون ویطعمون حتی تباھی الناس فصارت کما تریٰ (ترمذی ج ۲ ص ۱۸۲) یعنی ایک آدمی ایک بکری کی قربانی اپنی اور اپنے گھر والوں کی طرف سے کیا کرتا تھا۔ خود کھاتے اور دوسروں کو کھلا دیتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے ایک دوسرے پر فخر کرنا اختیار کر لیا۔ تو قربانی ایسی ہو گئی جیسی کہ تم دیکھ رہے ہو۔ اس کو دو باتوں کی دلیل بناتے ہیں۔ ایک تو اس کی کہ ایک ہی بکری اپنی اور اپنے گھر والوں کی طرف سے جائز ہے۔ اسکی تحقیق تو دلائل وجوب کے ۱۳ اور دفع شبہات کے ۸ میں گذر چکی ہے۔ امام محمد موطا امام محمد میں اس کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ جب آدمی محتاج ہوتا ہے تو ایک ہی بکری قربانی کر لیتا ہے۔ خود کھاتا اور گھر والوں کو کھلا دیتا ہے اور ایک بکری کئی کی طرف سے نہیں ہو سکتی یعنی واجب قربانی میں نہیں ہو سکتی۔ باجی شارح موطا امام مالک نے اس قول کے بعد بتایا ہے کہ یہ نفل کے لئے ہے واجب کے لئے نہیں۔ دلیل یہ ہے کہ قربانی اور ذبح کی اسناد ایک ہی طرف سے ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قربانی وہی ہے اپنے ہی مال سے کرتا ہے اور سب کو شریک کر کے ثواب دیتا ہے۔ اگر سب کی واجب ہوتی تو سب کے مال سے یا سب کے وکیل بنا دینے سے ہوتی۔ یہ قربانی عبادت ہے۔ ویسے ہی کس طرح ذمہ سے ساقط ہو سکتی ہے اور اس پر ابوالاشد سلمی کی حدیث سے دلیل بیان کی ہے (اوجز المسالک ج ۴ ص ۲۳۲) جس کو ہم نے دفع شبہات کے ۸ کے آخر میں درج کیا ہے کہ سات آدمیوں نے ایک ایک درہم جمع کر کے قربانی کا جانور خریدا ہے غرض حضرت ابوایوب انصاری کا مقصد یہ ہے کہ گنجائش نہ ہونے کے وقت چونکہ قربانی واجب نہیں ہوتی۔ اس لئے ایک کر کے سب کو ثواب میں شریک کر لینا بہتر ہے۔ محض فخر ونمود کے لئے زیادہ کرنا ٹھیک نہیں۔ ثواب کیلئے خلوص نیت کی ضرورت ہے۔ خلوص نیت سے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو اور بعض مرتبہ ساٹھ ستر سو اونٹ تک قربانی فرمائی ہے فخر ومباہات کا لفظ خود اسکی دلیل ہے کہ یہ قربانی نفل تھی ورنہ فرض وواجب کام میں فخر ومباہات نہیں اور ہو تو فرض واجب کو اس سے ترک نہیں کرایا جا سکتا۔ خود ریا کو ترک کرانا ضروری ہے۔ چنانچہ فقہائے کرام نے قرآن وحدیث سے اخذ کر کے یہ اصول مقرر کر رکھا ہے اور تمام امت نے بھی اس کو مان رکھا ہے کہ ریا کی وجہ سے امور ضروری نماز وصدقات۔ تلاوت وذکر کسی کے ترک کرنے کو کہنا درست نہیں۔ خود ریا کو ترک کرانا ضروری ہے اور اس زمانہ کے مالی واقتصادی حالات سے بھی یہی قرین بن آتا ہے۔ کہ گنجائش نہ رکھنے والوں کے واسطے یہ ارشاد وارد ہوا ہے۔ واجب والوں کیلئے نہیں۔

دوسری اس بات کی دلیل بتاتے ہیں کہ فخر ومباحات حرام ہے اور گھر کے ہر فرد کی طرف سے کرنا یا ایک آدمی کا کئی کئی کرنا۔ موٹے سے موٹے گراں قیمت کو خریدنا

اور بازاروں میں ان کو نکالنا۔ اعلان کرنا فخر و مباہات ہے، اس لئے یہ جائز بھی نہ ہوگا۔ اور صد قربانی یہ بات نہ ہوگی۔ لیکن ایسی بات کہہ جانا دانشمندی کے بالکل خلاف معلوم ہوتا ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہرات سے صحابہ کرام سے بہت بہت کرنا ثابت ہے۔ اس لئے کسی کسی کرنا فخر و نمود اور ریا کا کام نہیں کہلا سکتا۔ اب رہ گیا دل کا تخیل تو اول تو نیت و خلوص اور فخر و مباہات کا تعلق دل سے ہے۔ دل کا حال بجز خدا کے کسی کو یقینی نہیں معلوم ہو سکتا۔ ظاہری قرائن شک پیدا کر سکتے ہیں۔ حدیث ظنوا المومنین خیرا (مسلمانوں سے نیک گمان رکھا کرو) سے وہ معتبر نہیں۔ اس پر نصیحت تو کی جا سکتی ہے جیسے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے کی ہے۔ مگر اس پر کسی مسئلہ کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی جس کے لئے بنیاد کا مستحکم اور یقینی ہونا ضروری ہے دوسرے تمام یا اکثر مسلمانوں کو بے خلوص اور ریا و نمود والا کہہ دینا ایک تہمت سے زیادہ وقعت نہیں رکھ سکتا تیسرے اگر یقینی طور سے کل یا اکثریت میں فخر و نمود ثابت بھی ہو جائے تو خود ایک مستقل مسئلہ ہے کہ مسلمانوں کو اس سے روکنا جائز ہے یا نہیں۔ فقہائے کرام کا فیصل شدہ مسئلہ ہے کہ اگر فعل خود ضروری ہوگا تو فعل کو روکنا درست نہ ہوگا۔ ریا و نمود کو روکنے کی تدابیر کرنا ضروری ہے اور اگر فعل ضروری نہ ہو صرف مباح ہی ہو تو اس فعل کو روک دینا چاہیئے۔ چونکہ قربانی واجب ہے اگر ریا و فخر بھی ثابت ہو جائے تو اس سے روکنا حد جواز میں نہیں آسکتا۔ جیسے ریا کی وجہ سے حج۔ روزہ نماز زکوٰۃ کو روکنا جائز نہیں بن سکتا۔ چوتھے ریا و فخر بیشک گناہ ہے۔ مگر قربانی کے ترک کرنے میں ترک واجب اور عدم ادائے حق اللہ ہے۔ وہ ایک گناہ ان دو گناہوں کا ہم پلہ نہیں بن سکتا۔ اور وہ بھی مشکوک کہ ریا و فخر ہے بھی یا نہیں اور سب میں ہے یا کم میں اور ترک میں دونوں گناہ یقینی اور سب کے ہوں گے اس کو کون روا رکھ سکتا ہے۔ پانچویں یہ دلیل اگر کوئی دلیل ہو سکتی ہے تو کیا کوئی مسلمان گوارا کر سکتا کہ فخر و ریا کی بنا پر تمام ارکان اسلام فرائض و واجبات کو بالائے طاق رکھ دے۔ اور اگر قربانی کے جانور کو موٹا تازہ کرنے کے لئے خوب کھلانے پلانے اور محنت کرنے کو ریا و فخر قرار دیا جاتا ہے۔ تو یہ بات بھی خطرناک جرم بن جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تحقیر کا سبب ہے۔ ارشاد ہے۔ سمنوا ضحایاکم فانها علی الصراط مطایاکم (اپنی قربانیوں کو موٹا تازہ کیا کرو۔ کیونکہ یہ پلصراط پر تمہاری سواریاں ہیں)

اور اگر قربانی کے جانور کو باہر لے جانا لوگوں کو دکھانا فخر و ریا کہا جا رہا ہے تو یہ بھی خطرناک بات ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عیدگاہ لے جا کر ذبح کرنا بہت احادیث میں روایت ہے۔ باجی مالکی شارح موطا امام مالک کہتے ہیں کہ قربانی ایک عام مسنون طریقہ ہے۔ اس کا اظہار ہی افضل ہے کیونکہ اس میں احیائے سنت ہے۔ ابن حبیب مالکی کا قول ہے کہ اعلان مستحب ہے تاکہ مشہور ہو جائے اور جاہل ناواقف لوگ بھی اس کے دینی طریقہ ہونے کو اور پھر اس کے احکام کو معلوم کر لیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب قربانی کا جانور خرید تے تو غلام کو حکم دیتے کہ اس کو بازار لے جاؤ اور اعلان کر دو کہ یہ عبداللہ بن عمر کی قربانی ہے۔ علامہ عینی حنفی نے شرح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو نقل کر کے کہا ہے کہ امام المسلمین اور اور دوسرے مسلمان سب اس فعل میں برابر ہیں۔ اور اس میں حضور کے فعل کا اتباع ہے (اوجز المسالک موطا مالک ج ۴ ص ۲۱۹) اگلے صفحہ پر ہے کہ مسوّٰی شرح موطا میں ہے کہ قربانی دین کا شعار ہے اس لئے اس کا اعلان و اظہار ہی بہتر ہے اور عیدگاہ میں ہو تو اور اچھا ہے۔

اور اگر گراں قیمت قربانی کے جانور لینے کو فخر و ریا قرار دیا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے دفع شبہات کے مشہ میں حضرت ابو الاشد سلمی کی حدیث کے آخری لفظ یہ گزر چکے ہیں ان افضل الضحایا اغلاھا واسمنھا (سب قربانیوں میں سب سے افضل وہ ہے جو گراں قیمت ہو اور موٹی تازی ہو)

لہذا ان امور کو فخر و مباہات ریا و نمود کہہ کر قابل ترک کہنا خطرات پر مشتمل ہے۔ زرقانی شرح موطا مالک میں ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ قربانیوں پر فخر و مباحات کرنے کو ناپسند کر رہے ہیں ثواب کے لئے (ایک سے زائد) کرنے کو منع نہیں کر رہے ہیں۔ اس لئے آپ کے ارشاد کا مطلب بھی وہی ہے۔ جس کو عبداللہ بن عمر مستحب قرار دیتے ہیں۔ ان یضحی عن کل من فی البیت شاۃ شاۃ (گھر کے ہر فرد کی طرف سے ایک ایک بکری کی قربانی کرے) از اوجز المسالک شرح موطا مالک ج ۴ ص ۲۲۰

قربانی اسلام سے پہلے

بعض لوگ گمان کر لیتے ہیں کہ قربانی پہلے نہ تھی اگر اب بھی اسکی جگہ صدقہ و خیرات ہو جائے تو کیا مضائقہ ہے۔ لیکن یہ بات بھی دو طرح سے غلط ہے اول تو یہ کہ شریعت محمدیہ کے احکام کا پہلے سے ہونا ضروری نہیں۔ ہر نبی کی شریعت مستقل شریعت ہے محض اس بنا پر کہ کوئی حکم پہلی شریعتوں میں نہ ہو تو آج اس میں تغیر کی بغاوت کی جائے سخت ترین خطرناک بات ہے۔ نبی پر ایمان لانے میں شبہہ کی صورت بن رہا ہے۔

دوسرے یہ خیال بھی غلط ہے کہ قربانی اسلام سے پہلے نہ تھی۔ قربانی تو تھی۔ مگر اس کا طریقہ جو اب رائج ہے۔ یہ ابراہیمی طریقہ ہے۔ خود حضور کا ارشاد ہے سنۃ ابیکم ابراھیم (تمہارے دادا ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر) اور آدم علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک اور بنی اسرائیل میں دوسرا طریقہ تھا۔ وہاں جانور کو ذبح کر کے فدیہ نہیں ادا کیا جاتا تھا۔ ایک پہاڑ پر رکھ دیا جاتا تھا۔ آسمان سے ایک آگ نازل ہوتی تھی اور اس کو کھا جاتی تھی۔ قرآن شریف میں دونوں وقت کی قربانی کا ذکر موجود ہے۔ مگر امت محمدیہ کیلئے طریقہ ابراہیمی ہے۔ اس لئے دلائل کے بیان میں اس کو ذکر نہیں کیا گیا۔ سورہ مائدہ کی آیت ہے

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ۔ (ان لوگوں پر آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کا قصہ تلاوت کیجئے۔ جب دونوں نے قربانی پیش کی تو ایک کی قبول ہوئی دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔ دوسرا بولا میں تم کو قتل کر ڈالوں گا پہلے نے کہا کہ اللہ تعالے تو متقیوں کی قربانی قبول فرماتے ہیں)

اور سورہ آل عمران میں ہے۔

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عَهِدَ إِلَيْنَا أَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ (وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالے نے ہم سے عہد لے رکھا ہے کہ ہم کسی نبی پر ایمان نہ لائیں۔ جبتک وہ ہمارے روبرو کوئی قربانی اللہ کے لئے پیش نہ کرے اور اس کو آگ نہ کھا جائے۔)

کیا قربانی اقتصادی مشکلات کا سبب ہے

بہت لوگوں کے ذہن اور زبان پر یہ بات ہے کہ پاکستان میں گوشت گراں سے گراں تر ہوتا جا رہا ہے اگر قربانی جاری رہی جو کروڑوں جانوروں کو تین دن کے اندر ختم کر دیتی ہے۔ تو پاکستان میں نہ کسی جانور کا وجود ہے گا نہ سال بھر کھانے کے لئے گوشت دستیاب ہو سکے گا اور اگر قربانی بالکل بند یا بہت کم ہو گئی تو ملک کے باشندوں کو سارے سال گوشت مل سکیگا۔

غالباً اصل بات یہی ہے اور مذہبی لوگوں کی وجہ سے اس پر مذہب کی پالش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ اس وہمی خطرہ کا مقابلہ ایک مذہبی واجب سے ہو رہا ہے۔ تو ضرورت تو یہ تھی کہ سال بھر تک گوشت کھاتے رہنے پر بھی کوئی مذہبی دلیل ایسی قائم کی جاتی جو اس مذہبی واجب کی دلیلوں کے لگ بھگ تو ہو سکتی اس وقت تمام تر گفتگو سے کوئی نتیجہ نکل سکتا تھا۔ ایک طرف واجب ہونے کے دلائل کا انبار کا انبار دوسری طرف۔ نہ وجوب نہ سنت نہ استحباب اگر تمام عمر بھی گوشت کھانے کو نہ ملے سوائے عیدالاضحی کے تو کون سا فرض یا واجب یا سنت متروک ہو گیا۔ رہا یہ کہ زندگی کا باقی رکھنا فرض ہے تو اس کے لئے اور غذائیں بہت موجود ہیں۔ اگر کسی

صاحب نے بالفرض مذہو کہ بازی اور غلط طریقہ سے قربانی کے ترک اور خیرات کے جواز کو ثابت بھی کر دیا تو قربانی کے فضائل سے تو انکار ہی نہیں ہو سکتا قربانی کے شرعی حکم ہونے سے تو صرف نظر نہیں کیا جا سکتا پھر محض زبان کی چاٹ کے لئے جو نہ فرض نہ واجب نہ سنت نہ مستحب ایک شرعی حکم کو بالائے طاق رکھنے کی کوشش اور ایک منٹ کے چٹخارہ پر ایک مذہبی فریضہ کو بھینٹ چڑھانا اور تمام قوم سے انکار یا بالاتفاق ترک کرا کے اسلام سے ہی استعفا دلانا کون سا کارنامہ ہے۔

مسلمان کے اسلام کا تقاضا تو یہ ہے کہ اگر سارے سال کسی متنفس کو ایک بوٹی بھی میسّر نہ آ سکے تو بھی وہ ایسے اہم فریضہ سے روگردانی کا تخیل بھی ذہن میں نہ لا سکے۔ پھر بھی چند باتیں پیش ہیں کہ یہ خطرہ بھی فرضی خطرہ ہے۔ اور اس کا انتظام اس بدترین حرکت سے نہیں ہو سکتا۔

(۱) مادہ پرست قومیں جن کی نظریں انتہائی کوتاہ ہیں۔ وہ ایسی لغو باتیں کہہ دیں تو کہہ دیں کہ ان کے پاس وحی آلہی کی معتبر ثبوت کے ساتھ کوئی روشنی موجود ہے نہ وحی آلہی کی تشریحات نبویہ کا کوئی ذخیرہ ہے ان کی نظر خدا اور رسول سے ہٹ جائے تو ہٹ جائے اور ان کی نظروں کا ہٹا ہوا ہونا ہی قرین قیاس ہے۔ کہ ان کے پاس وحی آلہی موجود ہی نہیں ہے۔ ہاں ایک مسلمان دل و دماغ سے یہ بات حیرت کی بات ہے جس کو دنیا بھر میں سب پر یہ فوقیت حاصل کہ اس کے پاس وحی آلہی بے کم و کاست حرف بحرف موجود ہے اور صرف اسی کو صحیح و معتبر طریق سے وحی آلہی اور دین خدائی میسر ہے۔

یہ ایک ناقابل تردّد حقیقت ہے کہ ہر جاندار کی پیدائش کسی اور کے بس کی بات نہیں ہے۔ صرف خدائے وحدہ کی عنایت و نوازش کی مرہون منت ہے اسی طرح یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہر جان دار حیات کی بقا کا ایک وقت علم ازلی میں مقدار ہے۔ جس سے نہ ایک سکینڈ مقدم ہو سکتی ہے نہ مؤخر، صرف اتنی بات ہے کہ وہ وقت ہم لوگوں کو معلوم نہیں اور اسی نامعلوم ہونے کی وجہ سے حیات کو ختم کرنے کے ناجائز طریق پر اقدام قابل گرفت ہے۔ ہمارے علم میں اس وقت کی تحدید و تعیین صرف اسی وقت آئے گی جب حیات کا جام لبریز ہو جائے گا۔ اور موت کا نظارہ بے نقاب ہو جائے گا۔ اس وقت معلوم ہو گا۔ کہ یہی وقت اس کے لئے مقررہ تھا۔ اس لئے کسی کا یوں سمجھ لینا کہ اگر قربانی کے تین دن میں یہ ایک دم اس قدر جانور حکم آلہی کی نذر نہ کئے گئے تو یہ باقی رہیں گے۔ سوائے خام خیالی اور حقیقت سے چشم پوشی کے کوئی درجہ نہیں رکھ سکتا۔ اگر علم آلہی میں ان کی حیات کا وقت یہی مقرر ہو گا۔ تو کوئی وبائے عام ان کی گردن دبائے گی اور اس فرض کے ترک کا گناہ اور سال بھر میں غریبوں کے شکم سیر ہو کر گوشت کے استعمال سے محرومی الگ ہو گی۔ آخر یہ تو سوچا جائے اس کی کیا ضمانت ہے کہ کوئی بیماری یا عام وبا ان میں نہ آئے گی، کیا یہی فرق نہیں ہے۔ کہ عام وبا کا آنا بھی قانون آلہی ہے مگر تکوینی جس میں انسان کا دخل یا اس کو علم نہیں اور قربانی بھی حکم الٰہی ہے مگر تشریعی کہ جس میں انسان کی فرمانبرداری کا امتحان ہے اور انسان کا دخل و علم ہے۔ اگر ان جانوروں کی حیات کے ختم ہونیکا حکم اسی وقت ہے تو تشریعی نہ ہو گا تو تکوینی ہو گا مگر ہو گا ضرور انسان کر کیا سکتا ہے۔ مگر نظر گہری ہو دور تک ہو۔ اندر اور باطن تک ہو تو نظر آ سکتا ہے کہ اس حرکت کا نتیجہ کوئی برآمد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ شاید ایسے تخیلات انہی کوتاہ نظر لوگوں کے میل جول سے پیدا ہو گئے ہیں۔

(۲) اگر اس بالغ نظری سے بھی کوئی محروم ہے اور وہ بھی اسی کوتاہ نظری میں مبتلا ہے جس میں دوسری قومیں مبتلا ہیں تو اسکو بھی ذرا غور و خوض سے کام لینا چاہیے کہ عام قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کی مانگ زیادہ ہوتی ہے اور اس کے قدردان زیادہ ہوتے ہیں۔ لوگ اسی کے اسباب پر زیادہ متوجہ ہوتے ہیں۔ کاشت کا معاملہ زیادہ واضح ہے کہ ہر چھ مہینہ بعد اس کا نتیجہ سامنے آ جاتا ہے جو چیز زیادہ نفع کی معلوم ہوتی ہے کاشتکار اسی پر متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور ملک میں اسی کی پیداوار زیادہ زیادہ نظر آنے لگتی ہے خواہ دوسرے لوگ دوسری چیزوں کی کتنی ہی تعریفیں اور ضرورت بیان کریں تو اگر قربانی سے جانوروں کی کمی واقع ہو گی جانوروں کی قدر اور ضرورت زیادہ ہو گی۔ تو لوگ جانور پالنے اور بچے پرورش کرنے کا بھی اہتمام زیادہ کریں گے۔ اور اسی میں ان کو منفعت زیادہ معلوم ہو گی۔ یہ منفعت ہی اپنی طرف توجہ مبذول کرا لے گی یہ قربانی و ذبیحوں کی زیادتی ہی جانوروں کی زیادتی کا سبب ہو گی۔ اور انکی کمی جانوروں کی کمی کا ذریعہ بن جائیگی۔

(۳) ایک زمانہ تھا کہ جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی حکومتیں موجود تھیں ہر حکومت کو اپنی حفاظت کے لئے کافی فوج اور فوجی گھوڑے رکھنے کی شدید ضرورت تھی اس زمانہ میں گھوڑوں کی پیدائش کافی تھی لوگ اہتمام کرتے تھے گھر گھر گھوڑا نظر آتا تھا۔ اب وہ قدر نہیں رہی ان کا وجود بھی کم کم ہو گیا ہے۔

(۴) جب تک ریل بسیں اور کاریں سائیکل عام نہ تھیں بیل کاٹیاں گھوڑا گاڑیاں گھوڑے قابل قدر تھے۔ اسی قدر ان کی پیدائش و پرورش کے انتظامات تھے اب قدر کم ہو گئی یہ چیزیں کم ہو گئی۔

(۵) کاشت کا مدار جب تک صرف بیلوں پر تھا اور رہٹ اور بیل کے لئے بھی عمدہ عمدہ بیل درکار ہوتے تھے۔ اس قدر بیل مل جاتے تھے۔ اب وہ بات نظر نہیں آتی حالانکہ نہ اب رہٹ بیل ہے نہ کھیتوں میں بیلوں کی بن بہل مگر بیل کم کم ہیں۔

(۶) ہمارے پڑوس میں ایک ملک ہمارے ملک سے بڑا ملک موجود ہے جس میں گائے بیل کی نسل کی نسل ذبح نہیں کرائی جاتی مگر وہاں خاص اس نوع میں روزانہ لاکھوں کی تعداد کا اضافہ جو نظر آنا چاہیئے تھا نہیں ہو رہا ہے۔ اور قدر کم ہونے سے قیمت گری پیدائش و پرورش کے اسباب کم ہو گئے ورنہ حساب لگا کر دیکھئے تو روزانہ جس قدر بچت وہاں ہو رہی ہے اب تک کس قدر افزائش ہو سکتی تھی۔ مگر ایسا نہیں ہے۔

(۷) اسی طرح یورپ کے ملک کو دیکھ لیا جائے جہاں پلید گوشت کھایا جاتا ہے وہاں ان پاک جانوروں کی جو روزانہ لاکھوں کی تعداد میں بچ رہے ہیں بے انتہا کثرت ہونی چاہیئے تھی مگر نہیں ہے اور جس خبیث کی نایابی و کم یابی ہونی ضروری تھی وہ بھی نہیں ہے۔

(۸) پاکستان میں گوشت کی گرانی کی شکایت ہوئی تو ہفتہ میں ایک تعطیل ہوئی۔ مگر گرانی کم ہونے کی جگہ اور بڑھ گئی اور پھر دو روز کی تعطیل کی گئی۔ لیکن گرانی وہی موجود ہے بلکہ روز افزوں اس حالیہ تجربہ کے بعد بھی ذبیحہ کی کمی کو افراط کا سبب قرار دینا کیسے صحیح ہو گا۔

(۹) ذبیحہ اور قربانی کی کمی یا بندش سے جو خیال کیا جا رہا ہے۔ کہ جانوروں کی افراط ہو جائے گی یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ یہ صرف سطحی نظر کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ بات جاندار ہوتی تو جن جانوروں کا ذبیحہ نہیں ہوتا اُن کی تو بہت زیادہ افراط ہونی چاہیئے تھی۔ اور پاکستان میں گھوڑوں گدھوں کا اس قدر رش ہوتا تھا کہ گلیوں سڑکوں میں راستہ تک نہ ملتا۔

(۱۰) ذبیحہ اور قربانی پونے چودہ سو سال سے بلکہ اس سے بھی بہت پہلے سے عالم میں موجود ہے اور سارے عالم میں جس قدر تعداد میں ہمیشہ ہوتا آیا ہے اس کی تعداد روزانہ کروڑوں کی ہو گی۔ اگر ذبیحہ و قربانی سے جانوروں کی کمی اور ان کی کمی سے جانوروں کی زیادتی ہو جایا کرتی تو سارے عالم میں گائے بیل بھینس اونٹ بکری بھیڑ دنبہ، مرغ، مچھلی نایاب اور گھوڑے گدھے کتے سور اور ایسے جانور روزانہ کروڑوں کے حساب سے بڑھے ہوئے نظر آتے مگر اعتدال کا جام آج تک تنگ نہیں ہوا۔

(۱۱) سب سے زائد ذبیحے اور قربانیاں حجاز میں ہوتی ہیں۔ اور خصوصاً حج کے موقع پر کہ ہر ہر شخص ایک ایک نہیں بہت بہت کرتا ہے۔ اور آج سے نہیں پورے پونے چودہ سو سال سے ہوتی آ رہی ہے۔ حتیٰ کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سو سو اونٹ تک بیک وقت قربان فرمائے ہیں۔ اور ملک بھی ایسا کہ جہاں گھاس نہ پانی اور اگر ان وہم میں اصلیت کی ذرا سی بو بھی ہوتی تو وہاں تو قربانی کا جانور بالکل عنقا ہو کر رہ جاتا۔ مگر حاجی صاحبان کو معلوم ہے۔ اور دوسرے حضرات ہر سال کے حاجیوں سے معلوم کر سکتے ہیں کہ وہاں قربانی کا

رجانور ہمارے ملک سے آج بھی سستا ملتا ہے۔ اور روزانہ ذبح اور قربانی و ہدی کے ایام میں ہر سال کروڑوں کے ذبح کے باوجود کثرت سے اور بڑی کثرت سے ملتا رہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کام تو جانوروں کی افزائش کا ذریعہ ہے۔ کمی کا ذریعہ نہیں ہے۔

(۱۲) ہر ملک کی ضروریات کے لئے اور بیرونی تجارتوں کے لئے چمڑہ، ہڈی، سینگ اور اون بالوں کی ضرورت اور اُن کی کثرت ملک کو ترقی و خوشحالی دینے کے لئے مفید ہوتی ہے۔ جس کو ہر شخص جانتا ہے۔ اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ ذبیحہ کی ان چیزوں کو مردہ کی ان چیزوں سے عمدگی حاصل ہوتی ہے جس ملک میں ذبیحے اور قربانیاں بہت زیادہ ہونگی اور وہ ان چیزوں سے کام لے گا۔ وہ دوسرے ملکوں کا دست نگر ہی نہ رہے گا۔ بلکہ دوسروں کو اپنا دست نگر بنا سکے گا۔ ذبیحوں اور قربانیوں کی کمی کی تجویزیں ملک کی اس دولت اور ساکھ کی کمی کا ذریعہ ہیں۔ اور ملک کو دوسروں کا دست نگر بنانا ہے۔ معلوم نہیں پاکستان کے ہوشمند لوگ کیوں اس طرف توجہ نہیں کرتے اور اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں پہ کلہاڑی مارنے کو کیوں پسند کرتے ہیں۔ کیوں ملک کی خوشحالی و ترقی میں روڑے اٹکانا چاہتے ہیں۔ اور ملک دشمنی و قوم دشمنی کا ثبوت دیتے ہیں۔

(۱۳) اگر ذبیحوں کی عام اجازت دی جائے۔ قربانیوں کی ترغیب دی جائے۔ جانوروں کے باہر سے آنے پہ کسی شہر میں پابندی نہ لگائی جائے۔ تو اُمید ہے کہ چمڑہ سینگ ہڈی، اون، بال کی افراط سے ملک کو چار چاند لگیں گے۔ اور چند سال گو گرانی کا دور رہے گا۔ مگر جیسے کہ سب چیزوں میں اس کا تجربہ ہے۔ اور ہمیشہ کا تجربہ ہے کہ جس چیز کی قیمت بڑھتی ہے۔ قدر ہوتی اور مانگ روز افزوں ہوتی ہے۔ لوگ اسی میں سب سے زائد نفع محسوس کر کے کسی کو اپناتے ہیں۔ اور گھر گھر اس کی پیدائش و پرورش کے انتظامات ہونے لگتے ہیں جس کے نتیجہ میں وہ چیز ضرورت سے کہیں زائد نظر آنے لگتی ہے۔ اور اس کی افراط کے بعد پھر قیمت بھی رفتہ رفتہ اعتدال پہ آتی رہتی ہے۔ اور گرانی ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ اُس چند روز کی گرانی کی بھی آخر کوئی حد تو ہوگی۔ جہاں جا کر وہ ختم ہو گی۔ اور بقول مشہور ہر کمال را زوال وہ پھر اعتدال پہ آجائے گی۔ لہٰذا اگر بہت گہری نظر سے اس مسئلہ کا سیاسی و اقتصادی جائزہ لیا جائے۔ تو یہ چند سال کی کشمکش کے بعد ہر طرح سے ملک کی ترقی و خوشحالی کا ضامن ہے۔

(۱۴) جانوروں کی کمی کی وجہ ہرگز ذبیحہ و قربانی نہیں ہوسکتی۔ ورنہ جن جانوروں کا ذبیحہ نہ ہوتا وہ اسی تعداد میں۔ ذبیحہ جانوروں سے زائد ہوتے جس تعداد میں اُن کا روزانہ و سالانہ ذبیحہ ہوتا ہے۔ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ پاکستان بننے کے بعد بہت زمینیں خالی پڑی رہیں۔ اور آج بھی بہت بڑے رقبے خالی پڑے ہوئے ہیں۔ اگر حکومت ان کو تقسیم کر دے کام کرنے والوں کو مفت یا نہایت مراعات سے دے دے تو غلہ کی پیداوار میں بھی اضافہ ہو۔ اور چارہ کی افراط سے جانوروں کی پرورش کا بھی ذریعہ بنے۔ گو ٹریکٹر وغیرہ کی وجہ سے بیلوں کی ضرورت کم ہو گئی۔ اس لئے نہ زیادہ بیل رکھے جاتے ہیں۔ نہ ان کے لئے زیادہ چارہ بویا جاتا ہے۔ نہ اُن کے ساتھ گائے بھینس اُونٹ وغیرہ کی پرورش ہوسکتی ہے۔ نہ ہر شخص کو یہ خیال ہو سکتا ہے۔ کہ ان پچاس جانوروں کی پرورش سے ایک دو بیل بھی عمدہ تیار ہو گئے۔ تو سب محنت ان کی قیمت سے وصول ہوجائے گی۔ اس نفع اور رشوت کے ختم ہوجانے سے بھی ایک زبردست اثر پڑا ہے۔ لیکن پھر بھی گوشت اور ذبیحہ سے ہر قسم کی پابندی ہٹ جانے پہ جانوروں کی قیمت جو ایکدم بڑھے گی۔ وہ یہ شوق اور منفعت پھر پیدا کرسکتی ہے اور اس شوق سے جو فراوانی حاصل ہو گی۔ وہ قیمت کو اعتدال پہ خود بخود لے آئیگی۔

(۱۵) جہاں جہاں چھاؤنیاں قائم ہیں وہاں حکومت کی طرف سے یا حکومت کی نگرانی میں جو ڈیریاں تیار ہوتی ہیں۔ وہاں جانور بھی عمدہ اور زیادہ ہو جاتے ہیں اگر اسی طرح متعدد دیہات میں عام باشندوں کے واسطے بھی جدید انتظامات و تجربات کے تحت ڈیریاں بن جائیں یا بنانے والی پارٹیوں کو رعائتیں دے کر بنوالی جائیں تو اُمید ہے کہ گھی دُودھ، مکھن، کریم اور گوشت، چمڑہ، ہڈی بال اون سب چیزیں عمدہ اور زیادہ پھر سہولت سے اور سستی فراہم ہوسکیں گی۔

(۱۶) مسلمانوں کو اپنی نظر دوسرے تنگ نظر اور کوتاہ بینوں سے بلند کرنی بھی ضروری ہے۔ صرف ظاہر پہ اور مادی چیزوں پہ ہی نظر نہ رکھنی چاہیئے۔ ظاہر ہے باطن تک اور دُنیا سے آخرت تک اس کی سیرگاہ ہے۔ ان گرانیوں اور نایابیوں کا راز خود حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ سورہ انعام میں ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ـ

اور اگر بنی اسرائیل توریت و انجیل اور ان احکام کو جو ان پہ ان کے رب کی طرف نازل کئے گئے ہیں۔ قائم کرتے تو اپنے اُوپر سے بھی کھاتے اور پیروں کے نیچے سے بھی۔ احکام الٰہی پہ سختی سے پابندی ہی اس کی مستحق ہوتی ہے۔ کہ اُوپر کے آسمانوں سے بارشیں اور برکتیں نازل ہوں۔ پیروں کے نیچے کی زمین سے خوب پیداواریں ہوں۔ ہر شے کی فراغت و کثرت ہو اور اگر ایسا نہ ہوگا تو تنگی و گرانی بے برکتی و قلت پیدا ہوگی۔ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (جو جو اللہ تعالیٰ نے رزق دیئے ہیں۔ ان میں سے کھاؤ اور شیطان کی سوجھوں کا اتباع نہ کرو) بد افعالیاں، بد عقیدگیاں، بد اخلاقیاں، بد معاملگیاں اور تمام شیطانی کام رزق کے خلاف ہیں۔

(۱۷) حق تعالیٰ نے انسان کو طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ جانوروں کا وجود بھی انہی میں سے ہے۔ ان کے شکر پہ اور نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (اور قسم ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور تم کو بہت زیادہ نعمتیں دوں گا) تمام نعمتوں کا شکر کرنا فرض ہے۔ شکر زبان سے تعریف دل سے تعظیم اور تمام اعضا سے فرمانبرداری کا نام ہے۔ قربانیاں شکر نعمت کا ذریعہ ہیں۔ اور جانوروں کی نعمت پر یہ تو انتہائی شکر ہے کہ اسی کے نام پہ قربان کر دیئے جائیں۔ یہ تو ان نعمتوں اور ان کی افزائش کا سبب ہے۔ اس کی بندش یا کمی ناشکری اور کمی کا ذریعہ ہیں۔

(۱۸) تمام عالم خدا تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ انہی کی پرورش میں ہے انہی کے انتظامات کے تحت ہے کوئی ذرہ ان کی مرضی کے خلاف حرکت نہیں کر سکتا ضرویات کو وہی پیدا فرماتے ہیں۔ جہاں جس چیز کی جس قدر ضرورت ہے وہاں اس کا وجود زیادہ ہے اوپر کے نمبروں میں جو تفاوت ظاہری اسباب پہ مبنی کر کے پیش کئے گئے ہیں ان کا حقیقی و باطنی سبب نظام الٰہی ہے جس تک انسان کی نظر نہیں پہنچتی بس جس کی ضرورت زیادہ ہوگی وہی عطا فرمائیں گے۔ جس کی کم ہو گی وہی اس کو کم کر دیتے ہیں۔ جس زمانہ میں رکھشا کاریں بسیں نہ تھیں تانگے گھوڑے بہت تھے جب ان کی کثرت ہوگئی تانگے گھوڑے کم ہو گئے۔ مگر ان کا کہیں انبار نہیں لگا معلوم بھی نہیں ہوتا کہ کہاں گئے۔ اگر ذبیحوں اور قربانیوں میں کمی کی گئی تو انتظام آلٰہی میں ان کا وجود بھی کم ہو جائیگا اور حال وہی رہے گا۔ جو آج ہے بلکہ اور تنگ۔

(۱۹) ابتدائے دنیا سے آج تک حضرت حق جل شانہ کا یہ کرم جاری ہے کہ جو شے سخت ضرورت کی ہے وہ اسی قدر سہل الحصول ہے جس کی ضرورت کم کم ہے وہ اسی قدر کمیاب اور گران ہے۔ سب سے زیادہ ضرورت کی چیز ہوا ہے جس سے خشکی کے ہر جان دار کی زندگی قائم ہے ہوا بند ہونے سے زندگی ختم ہے چند منٹ بھی اس کے بغیر زندگی نہیں ہو سکتی۔ کہ کوئی جگہ ہوا سے خالی نہیں۔ اور ہوا کی قیمت نہیں سانس لینے کے لئے دشواری نہیں اس کے بعد ضرورت کا درجہ پانی کا ہے۔ اس میں ذرا دقت آگئی اس کے بعد غذا کا پھر استعمالی اشیا کا تو اسی قدر ان کی دشواریاں اور قیمتیں بنتی چلی گئیں سب سے کم ضرورت حیات کو سونے کی ہے وہ گراں ہے اس سے بھی کم ہیرے جواہرات کی ہے وہ اس سے زائد گراں اور کمیاب۔ اس لئے یقین رکھیئے کہ جس قدر ضرورت انسانی حیات کے لئے ضرورت کی ہوگی ان کے اسباب بھی پیدا فرما کر ان کو زائد مقدار میں عطا فرمائیں گے جتنی ضرورت کم کم ہوتی جائیگی

باقی صفحہ ۲۸ پر

جناب عبدالحمید صاحب سروش

حج اور قربانی (سنّت ابراہیم علیہ السلام)

باپ کی خدمت میں

حضرت ابراہیم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد کا نام آذر (یا نام تارخ اور لقب آذر) تھا۔ بت پرستی کے قائل ہی نہیں۔ بلکہ انتہائی متعصب مبلغ بھی تھے۔ حضرت ابراہیمؑ جس خاندان میں پیدا ہوئے۔ اس کے تمام افراد بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ انہیں میں رہ کر آپ عنفوان شباب کو پہنچے۔ اور انہیں میں منصب نبوت بھی حاصل ہوا اس ملک کا فرمانروا نمرود اور تمام قوم صنم پرستی کو مذہب کے طور پر اختیار کئے ہوئے تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالےٰ کا پیغام توحید لے کر اپنے والد کے پاس پہنچے۔ نہایت نرمی اور محبت سے باپ کی خدمت میں پیغام پہنچایا۔ یٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْئًا (ابا جان ان مٹی کے پتلوں کو پوجنے سے کیا فائدہ جو نہ سنتے ہیں۔ نہ دیکھتے ہیں اور نہ آپ کے کسی کام آسکتے ہیں)۔ باپ کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی۔ بات کتنی بھی درست سہی کتنی ہی محبت اور احترام کے ساتھ کہی گئی لیکن اپنے اور اپنے باپ داداؤں کے مذہب کے خلاف اپنے بیٹے کے منہ سے کیسے سنی جاسکتی تھی۔ کہنے لگے اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰٓاِبْرٰهِیْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ۞ (اے ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے برگشتہ ہو گیا ہے۔ اگر تو باز نہ آیا تو یاد رکھ۔ میں تجھے سنگسار کردوں گا۔ جا میرے گھر سے نکل جا۔ میری آنکھوں سے دور ہو جا) ابراہیم علیہ السلام کے لئے باپ گھر بار اور عزیز و اقارب کو چھوڑنا کتنا ناگوار ہوگا۔ اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں۔ جن کو ایسی مصیبت کا کبھی سامنا کرنا پڑ جاتا ہے۔ اور وہ تنہائی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام جنکی زندگی ابتدا سے انتہا تک مجسم قربانی ہی قربانی تھی۔ ذرا نہیں گھبرائے۔ فرمایا سَلٰمٌ عَلَیْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ۞ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ۞ (تم پر سلام ہو۔ میں اپنے مولا سے آپ کی مغفرت کی درخواست کروں گا۔ وہ مجھ پر کرم فرماتا ہے۔ تم کو اور تمہارے معبودوں کو چھوڑتا ہوں۔ میرے لئے اللہ کافی ہے میں تو اپنے مولا ہی کی پرستش کرونگا اسی کو پکاروں گا۔ امید ہے کہ وہ مجھے محروم نہیں رکھے گا۔

قوم کے سامنے کتنا آسان کام تھا بوریا بستر باندھ کر چل دیئے۔ لیکن تبلیغ کا فریضہ پورا نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا ضروری تھا۔ علی الاعلان قوم کو مخاطب فرماتے ہیں۔ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۞ (یہ پتھر کی مورتیاں تم جن کے پجاری اور مجاور بنے بیٹھے ہو بتاؤ تو یہ ہیں کیا؟) آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے خدائے ذوالجلال کے مقابلے میں بھلا ان خود تراشیدہ بتوں کی کیا وقعت ہے۔ افسوس کہ تم ایسی چیزوں کے پرستار ہو جو کسی مصرف کی نہیں۔ قوم کہاں ماننے والی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام نے تبلیغ کا حق ادا فرما دیا۔ لیکن ابھی عملاً خداؑ کی وحدانیت اور ان بتوں کی بے بسی اور بیچارگی کا ظاہر کرنا باقی تھا۔ فرمایا۔ میں تمہیں بتاؤنگا کہ یہ تمہارے خدا کس قدر ناکارہ ہیں۔ موقعہ پاکر شاہی بتخانے کے تمام بتوں کے پرخچے اڑا دیئے۔ سب سے بڑے بت کو باقی رہنے دیا۔ اور وہ کلہاڑی جس سے دوسروں کا کام تمام کیا تھا۔ اس کے کندھے پر لٹکا دی۔ پجاریوں نے یہ حال دیکھا تو بیقرار ہو گئے۔ کانفرنس میں طے پایا کہ ہو نہ ہو یہ ابراہیمؑ کا کام ہے۔ آپ کو بلایا گیا۔ تشریف لائے۔ ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰٓاِبْرٰهِیْمُ (ابراہیم کیا ہمارے خداؤں کا یہ حال تم نے بنایا ہے۔ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا یَنْطِقُوْنَ ۞ فرمایا اگر یہ بولنے ہیں تو یہ شکایت کر سکتے ہیں کہ انہیں کسی نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈال دیا ہے۔ تو یہ بڑا خدا جس نے کندھے پر کلہاڑی اٹھا رکھی ہے چلا چلا کر نہیں بتا رہا کہ یہ تمام کارستانی اسی کی ہے، مجھ سے پوچھنے کی بجائے انہیں سے پوچھو۔ اگر وہ گفتگو کر سکتے ہیں۔ اب تبلیغ کا حق پوری طرح ادا ہو چکا تھا۔ ہر ایک کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ غلطی ان کی اپنی ہے۔ لیکن خفت کو مٹانا اور انتقام لینا ضرور تھا۔ شرمندہ ہوئے جواب نہ بن پڑا۔ بولے تو یہ کہ تمہیں معلوم تو ہے کہ یہ خدا بولا نہیں کرتے۔ تو فرمایا تو کیا ایسی چیز بھی پوجا کے قابل ہے۔ افسوس افسوس تمہاری سمجھ میں اتنی سی بات بھی نہیں آتی۔ اب دوبارہ کانفرنس ہوئی اور یہ قرار پایا کہ جس شخص نے ہمارے خداؤں کی اتنی زبردست توہین کی ہے اسے گستاخی کا مزہ چکھانا چاہیئے۔ اسے آگ کے بہت بڑے الاؤ میں جلا کر اپنے معبودوں کی مدد کرنی چاہیئے۔

بادشاہ کے سامنے پیشی

نمرود نے آداب شاہی بجا لانے کا طریقہ بنا رکھا تھا کہ اس کے سامنے سجدہ کیا جائے۔ ابراہیم علیہ السلام نے "با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام" پر عمل نہیں کیا حق پرست انسان باطل کے سامنے کیسے سر جھکا سکتا ہے۔ اگر ایسا کرے تو حق و باطل کی تمیز کیا رہ جائے۔ ابراہیمؑ اس کے سامنے آئے تو سجدہ نہ کیا اس نے وجہ دریافت کی۔ فرمایا۔ میں اپنے رب کے سوا کسی کو سجدہ کرنا درست نہیں سمجھتا۔ وہ کہنے لگا۔ رب اور خدا تو میں ہی ہوں۔ فرمایا۔ تمہاری رب سے کیا نسبت۔ رب تو وہ ہے جو زندگی دیتا اور مار ڈالتا ہے۔ وہ کہنے لگا۔ یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ دو قیدی منگوائے مجرم کو آزاد کر دیا اور بے گناہ کو قتل کر ڈالا۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب اسکی یہ احمقانہ اور ظالمانہ حرکت دیکھی۔ جس سے وہ آپ کو مرعوب بھی کرنا چاہتا تھا۔ تو آپ ذرہ پریشان نہ ہوئے۔ اور پوری اطمینان سے زیادہ حکیمانہ جواب دیا کہ اچھا اگر تو رب ہے تو میرا مولا سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکال کے دکھا۔ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۞ نمرود یہ بات سن کر بھونچکا رہ گیا۔ اللہ

ظالموں کو سیدھی راہ پر بات چیت میں بھی نہیں آنے دیتا۔

حنیفا۔ اب ساری دنیا ایک طرف ہے اور حضرت ابراہیم اکیلے ایک طرف حنیف کے معنی ہی یہ ہیں کہ سب سے کٹ کر ایک ہی طرف کا رہ جانے والا اللہ اللہ۔ ماں باپ نے گھر سے نکال دیا ہے کہ تو ہمارے خداؤں کو برا کہنے والا ہوتا کون ہے۔ قوم اور خاندان بگڑ چکا ہے۔ اور ان کے غضب کا یہ عالم ہے۔ کہ جب تک بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں میں اس جسم مقدس کو اس جرم میں کہ وہ اپنا رب اور معبود اللہ کو مانتے ہیں۔ جل کر بھسم ہوتا ہوا نہ دیکھ لیں۔ ان کے غصّے کی آگ سرد نہیں ہو سکتی۔ بادشاہ وقت ایسے گستاخ آدمی کی شکل دیکھنے کو تیار نہیں جو اس کی اپنی خدائی کے تخت کو بھی تباہ کرنے کے درپے ہے۔ ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ اللہ تعالےٰ نے ملک شام پہنچا دیا۔ شام سرسبز و شاداب ہی نہیں بلکہ روحانی برکات کا بھی ایک شاندار مرکز ہے۔ بہت سے انبیاء کرام کی قبریں اس سر زمین میں موجود ہیں۔ ان کی بے شمار یادگاریں اس ملک میں پائی جاتی ہیں۔ جن سے چشم بینا اور دل بیدار ہر وقت فیض حاصل کر سکتا ہے

وہی ایک دُھن

تنہائی بے سروسامانی اور خانماں بربادی میں دُھن ہے تو وہی ایک کہ اللہ کا دین پھیلانے کے لئے کیا جتن کیا جائے زندگی کا بھروسہ نہیں وفا کرے یا نہ اولاد بھی نہیں کہ یہ تبلیغ توحید کا ورثہ اس کے سپرد کر دیا جاتا۔ دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ٥ خداوندا تو علیم و خبیر ہے۔ میرے پاس تو کچھ نہیں رہا۔ تیری امانت موجود ہے۔ اسے کس کے سپرد کروں گا۔ الٰہی تو مجھے نیک اولاد عطا فرما۔ تاکہ اسے بھی تیری اس امانت کی حفاظت کا شرف حاصل ہو۔ خداوندا کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے لئے میری اولاد میں کوئی اس شرف سے مشرف نہ ہو۔ اللہ تعالےٰ نے یہ دُعا قبول فرمائی۔ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ٥ (ہم نے ابراہیمؑ کو ایک بردبار اور دانشمند بیٹے کی خوشخبری دی۔

ایک اور امتحان

اس بشارت کے مطابق حضرت اسمٰعیلؑ کو پیدا ہوئے۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ حکم ہوا اس شیر خوار بچے اور اُس کی والدہ کو غیر آباد صحرا (وادی مکّہ) میں لے جاؤ۔ سبحان اللہ بڑھاپے کی اولاد جو دُعاؤں اور التجاؤں کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ پھر اکلوتا ننھا سا بیٹا کہاں لے جا کر چھوڑنے کا حکم ہوتا ہے۔ اس بیابان میں جہاں دور دور تک پانی یا سبزی کا نام نہیں۔ کوسوں آبادی کا نشان نہیں۔ مگر آقا کا حکم ہے۔ حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو لے جا کر اس ریگستان میں چھوڑ دیتے ہیں نہ کوئی سایہ ہے نہ چھپر۔ نہ آدم نہ آدم زاد واپس آنے لگے تو حضرت ہاجرہؑ پکارتی رہ گئیں۔ مگر جواب ہی نہیں دیتے۔ نبی کی زوجۂ مطہرہ سمجھ گئیں۔ پوچھا کہ اللہ میاں کے حکم سے ایسا کر رہے ہیں آپ۔ فرمایا ہاں مطمئن ہو گئیں کہ شکر ہے اللہ تعالیٰ کی ہم پر نظر ہے۔ ہم تباہ نہیں ہوں گے۔ جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس کی رضامندی اسی میں ہے تو چشم ما روشن۔ دل ما شاد۔

ابھی ایک اور

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام چلنے پھرنے کے قابل ہوئے۔ باپ کے آگے پیچھے خدمت کے لئے رہنے لگے تو حکم آیا۔ اسے قربان کرو۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى (جب بیٹا باپ کے ساتھ دوڑنے کے قابل ہو گیا تو باپ نے کہا۔ بیٹا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے اللہ کے حکم سے ذبح کر رہا ہوں۔ بتاؤ کہ تمہاری کیا مرضی ہے؟ ایسے مبارک بیٹوں پر ہزاروں شہزادے اور لاکھوں شہزادیاں قربان عرض کرتے ہیں کون؟ وہی حضرت اسمٰعیلؑ جن کی عمر کیا ہے۔ وہی چھ سات سال يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ٥ (ابا جان جس بات کا آپ کو حکم ملا ہے۔ اس پر بلا تاخیر عمل کیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ میں کس عمدگی سے برداشت کرتا ہوں) وہ باپ جو سراسر اطاعت و فرمانبرداری تھا۔ بیٹے کی یہ بات سُن کر کتنا خوش ہُوا ہوگا۔ اسے اپنے لخت جگر پر کتنا پیار آیا ہوگا۔ کیا وہ آپ کی نظر میں پہلے سے زیادہ محبوب نہیں ہو گیا ہوگا۔ ایسے بچے کا قربان کرنا کیا اور زیادہ مشکل نہیں ہو جاتا؟ مگر کس کے لئے؟ عام انسانوں کے لئے۔ "خلیل اللہ" حضرت ابراہیم کے لئے زیادہ خوشی ہوئی اس بات کی کہ اللہ کا شکر ہے میری قربانی اور زیادہ قیمتی ہے۔ گھٹیا نہیں۔ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ (الآیہ) جب دونوں نے ہمارا حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا۔ تو وہیں ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم ہاتھ روک۔ تو نے خواب سچا کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ یہ تو محض ایک امتحان ہے جس میں تم پورے اُترے۔ ہم نے اس کے بدلے جنت کا ایک عُمدہ جانور قربانی کرنے کے لئے دے دیا اور آئندہ نسلوں میں انکی یہ سنت بطور یادگار قائم کر دی۔ ابراہیم پر سلام ہو۔ یہ ہمارے مقبول مخلص اور برگزیدہ بندوں میں سے تھا۔

اسوہ حسنہ

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (تمہارے لئے ابراہیم اور انکے ساتھ والوں کی زندگی میں ایک عُمدہ نمونہ ہے) یہ عُمدہ نمونہ کیا ہے۔ غور کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت ابراہیمؑ کی زندگی شروع سے لے کر آخر تک قربانیوں سے بھری ہوئی ہے۔

باپ گھر سے نکال دیتا ہے تو نکل جانا منظور ہے لیکن اپنے مولا کی نافرمانی منظور نہیں۔ پوری قوم اور حکومت مل کر آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں ڈال دیتے ہیں تو اُف نہیں کرتے مولا تجھے یہی منظور ہے تو میں آگ کے شعلوں کو خوشی سے قبول کرتا ہوں۔ تیرا دامن نہیں چھوڑوں گا۔ تجھے ناراض نہیں کروں گا۔ وطن سے نکلنا پڑتا ہے تو بسم اللہ کر کے قبول کر لیتے ہیں۔ ننھے بچے اور بیوی کو لق و دق صحرا و بیابان میں لے جا کر چھوڑ آنے کا حکم ملتا ہے تو چوں نہیں کرتے۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ اس بچے کو ذبح کر دو تو ایک قصاب کی طرح چھری لے کر پیارے جگر بند کے گلے پر پھرانے کے لئے اسکی چھاتی پر سوار ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے وہ نمونہ حضرت ابراہیمؑ کی زندگی میں جسکی پیروی کا ہمیں حکم ملتا ہے لیکن ہم کیا کرتے ہیں کہ چند روپوں میں ایک بکرا خرید کر ذبح کرتے ہیں۔ اس میں بھی اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنی ہماری دنیوی مصلحتیں ہوتی ہیں اور پڑھتے ہیں۔ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ الآیہ (میری نماز۔ میری قربانی میری

ایڈیٹر
عبدالمنان
چوہان

شرح چندہ
سالانہ گیارہ روپے ششماہی چھ روپے
سہ ماہی تین روپے

منظور شدہ
محکمہ جیل مغربی پاکستان

رجسٹرڈ ایل
۶۰۴۷

منظور شدہ محکمہ تعلیم (۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G/۲۱/۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری C.B.T.۳۰۲۷/۲۴۸۱ مورخہ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء

زندگی اور موت اللہ کے لئے ہے) حالانکہ باقی زندگی میں حضرت ابراہیمؑ کی کسی سنت کا تصور بھی نہیں آنے پاتا۔ ممکن ہے۔ بعض اللہ کے بندے یہ خوبی بھی رکھتے ہوں۔ کہ شب و روز یہ اسوہ حسنہ پیش نظر رکھتے ہوں لیکن اکثریت کے اعمال کا جائزہ لیا جائے تو اس میں ایسا کوئی نشان نہیں ملتا۔ مگر ہم کس قدر آسانی سے سنت ابراہیمی کے پیرو بن جاتے ہیں۔ حالانکہ بار بار وہ زندگی ہمیں پکارتی رہتی ہے اور ہم نفسانی خواہشات کے پیچھے لگے رہ جاتے ہیں

کامیابی

ابراہیم علیہ السلام نے قربانیاں دیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے کیا انہیں ناکام کر دیا؟ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ہر مقام پر کامیابی دی۔ گھربار اور وطن چھوٹا تو اللہ تعالیٰ نے سرسبز و شاداب سرزمین شام وطن کے طور پر عطا فرما دی اور پھر خود اپنے گھر بیت اللہ کا معمار ہونے کا شرف عطا فرمایا۔ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ٥ (اور دیکھو وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم اور اسمٰعیل خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور یہ دعا کرتے جا رہے تھے کہ خداوندا ہماری یہ محنت قبول فرما تو سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا (اور وہ بات بھی یاد کرو۔ جب ہم نے اس خانہ کعبہ کو لوگوں کے اجتماع کا مقام بنا دیا کہ یہاں امن سے حج وغیرہ ادا کریں) یہی وہ مقام تھا۔ جہاں حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ کو تنہائی اور غیر آبادی میں لا کر چھوڑ دیا گیا تھا۔ پانی کے لئے حضرت ہاجرہؓ نے بیقرار ہو کر دعا کی تو اللہ تعالےٰ نے ان کے اور حضرت اسمٰعیلؑ کے دم قدم کی برکت سے چاہِ زمزم عطا فرما دیا۔ جسکے فیض سے آج دنیا بھر کے مسلمان مستفیض ہو رہے ہیں۔ حضرت ہاجرہ ہی کو اللہ تعالےٰ نے یہ بشارت بھی عطا فرمائی کہ گھبراؤ نہیں یہاں ہمارا گھر ہے۔ جسے تمہارا یہ ننھا بیٹا اور اس کے والد از سر نو تعمیر کریں گے اور یہ مقام دنیا بھر کی زیارت گاہ و عبادات و دعوات کا قبلہ بنے گا۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرَاھِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَھْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ ٥ (وہ وقت بھی یاد کرو۔ جب ابراہیمؑ نے اس مقام کے لیے دعا کی کہ خداوندا اس بستی کو امن کا مقام بنا دے اور اس کے باشندوں کو پھلوں کی روزی عطا فرما۔) پھر اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے طفیل مکہ والوں کو کس قدر نوازا ہے۔ کہ اس غیر آباد اور بنجر خطہ (مکہ معظمہ) میں حاجی لوگ آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ دنیا بھر کے پھلوں اور سبزیوں کی اتنی بہتات ملتی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔

قوم چھوٹی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں حضرت اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ جیسے فرزند عطا فرمائے۔ جنکی یاد سے آج بھی ایمان میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔ قوم نے آگ میں ڈالا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یَا نَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرَاھِیْمَ ٥ اے آگ ابراہیمؑ کے لئے خوشگوار اور ٹھنڈی فضا کے ایک جھولے اور گلزار کی شکل میں تبدیل ہو جا۔ دشمن دیکھتے رہے اور حضرت ابراہیمؑ کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ اللہ اللہ کس طرح حق کا بول بالا ہوا۔ پھر جب بیٹے کی قربانی دینے لگے تو اللہ تعالےٰ نے وہ انعام دیا کہ دنیا ہمیشہ آپ کے نقش قدم پر چل کر تا قیامت اپنی نجات کی راہ پاتی رہے گی۔ اسی بناء پر فرمایا وَ اِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرَاھِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا جب ابراہیمؑ کو کئی باتوں میں آزمایا گیا اور انہوں نے سب پوری کر دکھائیں تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ میں تجھے دنیا کا پیشوا بناتا ہوں۔ سبحان اللہ کتنا بڑا شرف اور کتنی بڑی عظمت ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو ملی۔ خود حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سید الاولین والآخرین ہونے کے باوجود ملت ابراہیم کے اتباع پر مامور ہیں حالانکہ آپ کی زندگی بھی از سر تا پا قربانی ہی قربانی ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

ہم بھی اگر وہ راہ اختیار کر لیں تو محروم نہیں رہیں گے۔ کامیابی ہمارے قدم چومیگی اور آگ ہم پر بھی گلزار ہو جائے گی ٥

ہو اگر اب بھی براہیم کا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

بقیہ وجوب قربانی صفحہ ۲۵ سے آگے

اتنی ہی ان کی کمی اور کمیابی ہو گی۔ اس لئے قربانی اور ذبیحہ کی کمی سے۔ ہم خود ضرورت کو کم کرنا چاہیں گے تو حق تعالےٰ اس میں کمی کر دیں گے جیسے اوپر کے واقعات میں آپ مشاہدہ کر چکے ہیں۔ کہ معمول باری ایسے ہی جاری ہے۔ اس لئے یہ تدبیر الٹی تدبیر ہے۔ وہم کی پیدائش ہے

(۲) آیت وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰھَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِیْھَا خَیْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْھَا صَوَآفَّ (اور اونٹ گائے وغیرہ کو ہم نے تمہارے لئے شعائر اللہ مقرر کر دیا ہے۔ ان میں تمہارے لئے خیر ہے۔ تو تم ان پہ اللہ کا نام لو۔ اس حال میں کہ وہ ذبح کے لئے صف بستہ ہوں۔ سورہ حج)

عین قربانی میں حق تعالےٰ کا وعدہ ہے۔ کہ تمہارے لئے ان میں خیر ہے۔ دنیا کی خیر بھی ہے۔ آخرت کی خیر بھی قربانی اور ذبیحوں کی کمی کی تجویز کرنے والے دنیا و آخرت کی خیر سے پاکستان کو محروم کرنے کی فکر میں ہیں۔ اسلاف کے بعض بزرگوں نے تو ناداری میں بھی قرض لے لے کر اس لئے قربانیاں کی ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کو خیر فرما کر وعدہ کیا ہے کہ یہ دنیا کی فراغت و راحت کا سبب بھی ہے۔ اور آخرت کی راحت کا بھی اب سوچئے ہم پسماندہ کدھر جا رہے ہیں۔ فقط وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ *

مدرسۃ العلوم الشرعیہ کا تیسرا سالانہ جلسہ

مدرسہ عربیہ علوم الشرعیہ کی طرف سے اعلان کیا جاتا ہے کہ بمطابق تجویز حضرت درخواستی دامت برکاتہم مدرسہ ہذا کا تیسرا سالانہ جلسہ بتاریخ ۱۷-۱۸ ذی الحجہ ۱۳-۱۴ جون کو ہو رہا ہے۔ جس میں حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب درخواستی مدظلہ کے علاوہ مشاہیر علما کرام تشریف لا رہے ہیں۔ (المعلن سید صادق حسین مہتمم مدرسۃ العلوم الشرعیہ جھنگ صدر)

فیروز سنز لمیٹڈ پریس لاہور باہتمام مولوی عبید اللہ انور پرنٹر پبلشر نے چھپا اور خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور سے شائع کیا۔